

افغان شعری ورثہ اور کثیر لسانی ادبی روایتیں: ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی بطور تذکرہ نویس علمی خدمات کا تجزیاتی مطالعہ

AFGHAN POETIC HERITAGE AND MULTILINGUAL LITERARY TRADITIONS: AN ANALYTICAL STUDY OF DR. ABDUL RAUF RAFIQI'S CONTRIBUTIONS AS A BIOGRAPHER

Mansoor Ahmed Jamali,

Lecturer Urdu ,College Education Department Government Degree College Johi,District
Dadu Province Sindh.

mansoorjamali233@gmail.com

Syed Ashiq Ali

Assistant Professor in URDU, Govt Islamia Arts / Com college & Post Graduate Studies
Center Sukkur

syedalisindh@gmail.com

Munawr Hassan

vice principal Alrayyan institute for islamic sciences Quetta Balochistan,

munawarhassan643@gmail.com

Abstract

Dr. Abdul Rauf Rafiqi is a distinguished scholar and biographer in Urdu, Persian, and Pashto literature, renowned for his contributions to the preservation of Afghan poetic heritage. His seminal works, "Shakaristan Roh" and "Sheer-o-Shakar", compile the lives, literary achievements, and poetic expressions of Afghan poets, thereby highlighting the cultural and linguistic interplay among Urdu, Persian, and Pashto. In Shakaristan Roh, Rafiqi documents nearly 400 Afghan poets in Urdu, offering a comprehensive account of their literary contributions and underscoring the historical significance of Afghanistan in Persian literary traditions. This work received wide recognition in academic circles and earned him an honorary award from Balochistan.

Similarly, Sheer-o-Shakar emphasizes the coexistence of Pashto and Persian poetry, reflecting on the broader theme of dialogue between civilizations. Rafiqi's research demonstrates that Afghan poets not only enriched Persian and Pashto literature but also made notable contributions to Urdu, thereby establishing a tri-lingual literary legacy. His writings reveal the intellectual depth of Afghan scholars and poets, while also situating their work within the socio-political and cultural contexts of South and Central Asia.

By integrating biographical sketches, literary analysis, and historical perspectives, Rafiqi's scholarship provides a vital resource for understanding the evolution of Afghan literary traditions. His works serve as a bridge between languages and cultures, reinforcing the importance of literature as a medium of unity, dialogue, and cultural continuity. Thus, Dr. Abdul Rauf Rafiqi's contributions stand as a cornerstone in the study of Afghan poets and their enduring impact on Urdu, Persian, and Pashto literature.

Keywords:Shakaristan Roh-Sheer-o-Shakar-Afghan Poets-Linguistic Interaction-Iqbal
Studies-

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی اردو، فارسی اور پشتو ادب کے ایک معتبر محقق اور تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے افغان شعرا کی علمی و ادبی خدمات کو محفوظ کرنے کے لیے گراں قدر تصانیف پیش کیں۔ ان کی کتابیں "شکرستان روہ" اور "شیر و شکر" نہ صرف افغان شعرا کے کلام اور حالات زندگی کو یکجا کرتی ہیں بلکہ زبانوں کے باہمی تعلق، تہذیبی ہم آہنگی اور علمی ارتقاء کو بھی اجاگر کرتی ہیں۔ ڈاکٹر رفیقی نے اپنی تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ پشتون اور افغان شعرا نے اردو، فارسی اور پشتو تینوں زبانوں میں لازوال خدمات انجام دی ہیں، اور ان کی علمی کاوشیں برصغیر اور وسط ایشیا کی ادبی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی بطور تذکرہ نویس ڈاکٹر عبدالرؤف کی شکرستان روا اور شعر و شاعری کا جائزہ پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیق کی دیگر اردو کتب کا تعلق اقباہیات سے ہے۔ اس لیے ان کا تحقیقی جائزہ آنے والے باب میں لیا جائے گا۔ اقبال کو افغانستان سے بہت لگاؤ تھا اسی لیے ڈاکٹر عبدالرؤف نے اپنی کتب میں خصوصاً افغانوں کو ہی زیر بحث لایا ہے اور اپنی ایچ ڈی کا مقالہ بھی افغان اور اقبال شناسی پر پایا تکمیل پہنچایا ہے۔

شکرستان روا میں افغان شعراء اور شاعرانہ پیشکشوں کی تصنیف و شکر میں پختون شعراء کی تحقیق کر کے انہیں یکجا کر کے کتب کی صورت میں پیش کر کے لازوال علمی اور ادبی کارنامہ سرانجام دیا ہے جس پر انہیں بلوچستان کی طرف سے اعزازی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالروف رفیق کی تصنیف شکرستان روہ فارسی کے افغان شعراء کے متعلق زیر بحث ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر عبدالروف رفیق نے افغانستان کے تقریباً 400 کے لگ بھگ شعراء کا تذکرہ کیا ہے اس کتاب کو وطن پبلکیشنز کوئٹہ نے 2010ء میں شائع کیا ہے۔ کتاب خوب صورت سرورق کے ساتھ ساتھ اے نور سائز میں مجلد ہے جس کی لکھائی چھپائی اور معیار کافی حد تک آج بھی برقرار ہے۔ اس کتاب میں افغان شعراء کا اردو زبان میں تذکرہ کیا گیا ہے ان کا ادب سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کتاب کے شروع میں مقدمہ اور اس کے بعد علامہ عبدالحی، ڈاکٹر عارف نوشاہی، حامی اعظم، ڈاکٹر سعید الحسن روہیلہ اور ڈاکٹر رفیق کی کتاب کی متعلق ادوار درج کیے گئے ہیں۔ جو کہ اپ کے بہترین اساتذہ میں سے ایک ہیں۔

اس قوم کی خاصیت یہ ہے کہ اس نے تین زبانوں اردو، فارسی اور پشتو زبان میں سرمایہ چھوڑا ہے پشتو میں جہاں خوشحال خان کھٹک، رحمان بابا اور حمید جیسے شہرت یافتہ شعراء پائے جاتے ہیں وہاں اردو میں نواب محبت خان جوش ملا آبادی اور ساغر نظامی جیسے نامور شعراء ہیں۔

فارسی عدم میں افغانوں میں نواب مصطفیٰ، عبدالحی حبیبی اور قاسم علی خان افریدی جیسے عالمگیر شعراء کے نام ملتے ہیں۔ افغانوں کو دو زبانوں پشتو اور فارسی پر پورا عبور ہوتا ہے۔ اکثر شعراء نے فارسی اور پشتو میں کمال کی شاعری کی ہے، جیسے احمد خان خوشحال، خان کھٹک، محبت خان محبت وغیرہ، جبکہ ہندوستان جانے والے شعراء نے فارسی، پشتو اور اردو — تینوں زبانوں میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ افغانوں کی ان زبانوں میں ادبی خدمات کے حوالے سے تحقیق کی جائے، جو کہ میں نے اپنے مقالے میں ڈاکٹر عبدالروف رفیق کی بطور تذکرہ نویس کی حیثیت سے کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالروف رفیق ایک معروف پشتون سکالر ہیں، جنہوں نے اقبالیات میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کی یہ کتاب پڑھنے کے حوالے سے ہماری ضرورت کو کافی حد تک پورا کرتی ہے۔

”عارف نوشاہی شکرستان روا کے حوالے سے لکھتے ہیں زیر نظر تذکرہ دیکھ کر یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ علاقے جہاں پشتو زبان بولی جاتی ہے یا تہذیب اور اخلاق شامل ہیں وہاں کے شعراء حرف بہ حرف میں بھی شاعری کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں فارسی ادب کی اہمیت کا ثبوت ملتا ہے فارسی شاعری کرنا ایک بے تکلفی کی علامت ہے۔ اس تذکرے سے ہمیں زبانوں کے تعامل اور باہمی تعلقات کی اہمیت واضح ہوتی ہے اس تذکرے سے اپنی روایات افکار اور نظریات کو منتقل ہوا دیکھتا ہے۔ اس طرح یہ کتاب محض شاعروں کا تذکرہ نہیں بلکہ علمی تصنیفات کا ایک تعارف نامہ ہے“۔ (1)

اگر ہم ایک کتاب کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ یہ فارسی ادب میں افغانستان کا جو کردار رہا ہے، اسے ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ کتاب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہماری قوم پشتون پرست ہے اور دوسری زبانوں کے خلاف تعصب بھی پایا جاتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی ایرانی اور فارسی کے مخالف ہیں۔ اُن کی شاعری اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کم ظرف شخص نہیں تھے۔ بہت سے پشتون شعراء نے شاعری کے ذریعے فارسی ادب کی خدمت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے ساتھ اُن کی کشمکش سیاسی نہیں بلکہ لسانی تعصب پر مبنی تھی۔

اس کے علاوہ، دیگر افغان شعراء نے جب پشتو فراموش کر دی تو بھی فارسی زبان میں شاعری جاری رکھی، کیونکہ فارسی اُس دور میں ایک ایسی زبان تھی جو نہ صرف دفتری اور سرکاری تھی بلکہ تعلیم و تعلم کا ذریعہ بھی تھی۔ اگر اس کو دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو بہت سے تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے ہر دور میں سیکھتے رہے ہیں۔ حافظ رحمت خان کا قول ہے کہ ایک سردار کے لیے تلوار کے ساتھ ساتھ دیوان کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ کندہار کا دربار ہو یا بریلی کی حویلی، رام پور کا گلاہ ہو یا بھوپال کی محفل، افغانوں نے ہر جگہ علم و ادب کی سرپرستی کی ہے۔ ان ریاستوں کے حکمران افغان اور سرحدی علاقوں سے بلائے جاتے تھے۔ اُن کے وظائف مقرر کر کے ہندوستان میں اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ 1857ء میں دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ بھوپال اور رام پور کی محفلیں سبائی جاتی تھیں۔ یہاں کے حکمرانوں نے نہ صرف علماء و فضلا کو پناہ دی بلکہ جو علماء و ادیب انگریزوں سے لڑتے تھے، اُن کے بچاؤ کا اہتمام بھی کیا گیا۔

19 ویں صدی کے آغاز میں برصغیر سے فارسی زبان کو نکال دیا گیا، اور انگریزوں نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اسی سرپرستی کی وجہ سے ہی ہندوستان میں فارسی کو اہمیت حاصل ہوئی۔ ان ریاستوں کے اندر اُن کی حوصلہ افزائی گئی۔ اس کے بعد آزادی ہوئی تو ان ریاستوں کے خاتمے کے ساتھ ہی برصغیر سے فارسی کا ادبی عمل ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

افغانستان میں فارسی ماضی کی حیثیت رکھتی ہے، اور حال میں بھی اس کا یہی حال تھا۔ اس وجہ سے وہاں کے بیشتر لوگوں کی مادری زبان فارسی رہی ہے۔ کچھ لوگ مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان کی ماضی کی زبان فارسی کہلاتی تھی۔ ان کے بعد کے لوگوں نے پشتو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی شاعری کی۔ مگر حیرت ہماری ان کے ان قبائل پر ہے جن کی مادری زبان شروع سے آج تک پشتو ہی ہے، اور وہ اپنے قبائلی نشست گاہوں میں ہی قیام پذیر رہے۔ پھر بھی انہوں نے پشتو کے ساتھ ساتھ فارسی بھی سیکھی اور اس پر بے شمار کتب تصنیف کی ہیں (2)۔

اس کتاب کی اشاعت نے اردو ادب کے نامور اور محققین کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور اپنی پسندیدگی کو اہمیت دی ہے۔ ”شکرستان روہ“ کو ادبی دنیا میں جو پذیرائی ملی اس کا اندازہ ماہرین اقبالیات محققین اور تنقید کرنے والوں کے تبصروں سے مختلف ہیں معروف ادبی شخصیت ڈاکٹر حاوی اعظم شکرستان روا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”ڈاکٹر عبدالروف رفیقی نے شعرائے اردو ادب میں تعارف پیش کرتے ہوئے اپنی تصنیف کو نہ صرف اردو بلکہ فارسی کے قائلین کے لیے آسان پیش کیا ہے۔ اگر تعارف فارسی میں پیش کیا جاتا تو تحقیق پر توجہ نہ دی جاتی۔ چند شعراء کے نام جو انہوں نے اپنی تحقیق اور تصنیف میں لکھے ہیں، جن میں موضوع اللہ خان، خوشحال خان خٹک، اشرف خان بھجری، کاظم خان شیدا، عبدالقادر خان خٹک، بھائی جان صاحبزادہ، عبدالرحیم مخلص، خلیل اللہ، خلیل عبدالحدی، عبدالرحمن وغیرہ شامل ہیں۔ (4) (3)“

”اگر دو سال پہلے بھی کتاب کا نام شکرستان روہ رکھا جاتا تو کتاب کے متن کی جانب سے توجہ مرکوز نہ ہوتی۔ اگر کتاب کا نام افغان شعر کے نام پر ہو تو نہ صرف موضوع اور متن کی عین مطابق ہو گا بلکہ کتاب کا سرور دیکھتے ہی مقصد اور متن فوراً واضح ہو جائے گا۔“ (5)

زمینی لحاظ سے پشتون ہندوکش کے سلسلے سے لے کر درہ سندھ کے کناروں تک آباد ہیں۔ اس قدیم آریائی قوم کی تاریخ نشیب و فراز کے ایسے بے شمار دلچسپ واقعات میسر ہیں جو عالمی سطح پر اپنی مثال آپ قائم کرتے ہیں۔

سینٹرل ایشیا کے کئی حملہ آوروں کی زور آزمائش سے لے کر بیسویں صدی کے اختتام اور 21 ویں صدی کے آغاز تک سپر پاور سے مقابلے کا سلسلہ جاری رہا۔ ماضی میں برطانیہ سے محروم دنیا کے مختلف ممالک کو زیر تسلط کرتے ہوئے افغانیوں تک پہنچے۔ سلطنت برطانیہ میں سورج غروب ہونے کو یمانی قوت سمجھا جانے لگا، اور دنیا کو ہمیشہ کے لیے برطانیہ کے عذاب سے نجات دلائی گئی۔

شکرستان روہ کی اشاعت ایک حساس ملک پر ہو رہی ہے۔ جب دنیا بھر میں مغربی میڈیا کے ذریعے صرف افغان اور پشتون کے خلاف منظم پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ افغانستان ہو یا پاکستان کے قبائلی علاقے، یہاں پر مختلف قسم کے ڈرامے کیے جاتے ہیں۔ عالمی حربے استعمال کیے جاتے ہیں، اور عالمی طاقتیں جو ہیں، ان کو سوا کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف، شکستہ نمایاں یہ کوشش کی گئی ہے کہ دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ دہشت گرد نہیں بلکہ محب وطن ہیں۔ محب وطن ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف میدانوں میں وہ نمایاں رہے ہیں۔ اس قوم کے علم اور عربی تاریخ بھی نہایت اہمیت اور صداقت کی حامل ہیں۔ پشتون نہ صرف اپنی زبان میں علمی ادب و خدمات سرانجام دے چکے ہیں بلکہ دیگر عالمی زبانوں کی علمی ترقی اور نشوونما میں بھی نمایاں کارنامے سرانجام دے چکے ہیں۔

جیسی قوم کا ماضی اتنے مستحکم علمی بنیادوں پر مستور ہو، اُس قوم کے لیے دہشت گرد اور خود کش بننا تیار ہونا ممکن نہیں۔ البتہ، یہ زمینی لحاظ سے مشرق اور مغرب کو ملانے کا کام کر رہی ہے۔ فتنہ نے افغانستان کو خشکی کے اس اہم شاہراہ پر آباد کر کے شاید دنیا کے سیاسی، جغرافیائی، تجارتی اور مذہبی معاملات میں توازن برقرار رکھنے کا حامل قرار دیا ہے۔

افغانستان نے ہر وقت ہمہ تن بیرونی جارحیت کا مقابلہ کیا ہے اور اس خطے میں اپنی پالیسیاں عملی کرنے کی جدوجہد شروع کی ہے۔ 1886ء میں روسی سفیر افغانستان آیا اور اُس کے مد مقابل برطانیہ نے بھی اپنا باقاعدہ پہلا اپنی افغانستان بھیجا۔ ان دونوں طاقتوں کو خطے میں افغانستان کی سٹریٹجک اہمیت اور فوقیت کا ادراک اُسی وقت ہوا تھا۔ اسی بنا پر علامہ اقبال نے بھی ایشیا کی آمد، خوشحالی، ترقی اور بربادی کو افغانوں کے امن، خوشحالی، ترقی اور بربادی سے مشروط کیا تھا۔ پشتون حکمرانوں نے نہ صرف تلوار پر اتفاق کیا بلکہ قلم کو بھی اپنا شعور بنایا۔ کشمیر، دہلی، لاہور، بھوپال، حیدرآباد دکن، ملتان، شاہجہان آباد اور سندھ وغیرہ میں اپنے علمی کارنامے سرانجام دیے۔ فارسی کی ترویج اور ترقی میں فارسی بولنے والوں کے علاوہ دیگر اقوام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس سلسلے میں پشتون فیملی نے اہم کردار ادا کیا۔ فارسی شاعری کے حوالے سے شکرستان روہ میں اس کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں فارسی میں بالعموم فارسی اور شاعری کے ارتقاء بالخصوص پشتون کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پشتون اور ادب، شعراء، علماء، مصنفین اور محققین کی سوانح زندگی کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ بین الاقوامی تحقیقی کاوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور ان کو دنیا کے علم و ادب سے روشناس کرایا گیا ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جو تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں اور اس بارے میں آگاہی رکھتے ہیں، اور اس جستجو میں رہتے ہیں، مگر مواد کی عدم دستیابی کی وجہ سے مختلف مشکلات کا شکار ہیں۔ ان تمام حضرات کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے مستند ماخذ کی مدد سے تحقیق مرتب کی گئی ہے (6)۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی کتاب ”شکرستان روہ“ اردو زبان میں لکھی گئی ہیں۔ اردو ہماری قومی زبان ہے اور بلوچستان میں اردو کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے برصغیر میں اس کے کام اور ادب کے اثرات کو سراہا ہے اس کو اسلامی فیض یافتہ بھی کیا ہے سندھ کو باب اسلام کہا جاتا ہے ڈاکٹر نام الحق کوثر نے اس طرح بلوچستان کی طرف موڑا ہے۔ اہل بلوچستان کو اسلام کا پہلا گوارہ قرار دیا ہے۔ اس پر لکھتے ہیں۔

”اردو زبان کی ماہیت اور صلاحیت اظہار قابل داد ہیں۔ یہ برصغیر کے خطے کو راز گئی جو باہر راست عرب حاملین اسلام سے فیضیاب ہوئے ہیں بلو اوسط اسلامی تہذیب و تمدن متاثر ہوا ہے لہذا بلوچستان جو برس کے لیے سب سے پہلے آفتاب اسلام سے منور ہوا اردو زبان سے بے بہرا ہو سکتا تھا۔“ (7)

ڈاکٹر عبدالرؤف اردو زبان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے فارسی اور پشتون شعرا کے کلام اور احوال کو اردو زبان میں شکرستان روا کی صورت میں پیش کیا اس تصنیف میں 435 شعرا کا تذکرہ ہے اس تذکرہ میں ڈاکٹر عبدالمہب نے حروف تہجی ترتیب سے فارس کے افغان شرا کا تذکرہ پیش کیا ہے کتاب کے شروع میں درج ذیل تبصرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی اردو تصنیف شعر و شکر میں پشتون شعرا کو زیر بحث لایا گیا ہے شیر دودھ کو کہتے ہیں جبکہ شکر کا مطلب ہے میٹھا یعنی کہ میٹھا دودھ۔ پشتون کا شمار قدیم اریائی قوم سے ہوتا ہے جو ہندوؤں کی وادی کے ساحل تک پھیلا ہوا تھا اس قوم کا ایک قدیم تہذیب فارس ہے اور فارسی اس طریقے کی اہم زبان ہے ایک زمانے میں فارسی زبان وسط ایشیا سے لے کر برصغیر پاک و ہند تک پھیلی ہوئی تھی اور ایران کے ساحلوں تک بولی جاتی تھی۔ اسی بنا پر مختلف مفکرین نے عربی کے بعد فارسی زبان کو فروغ دیا۔ ان میں علامہ سید جمال الدین افغانی اور علامہ محمد اقبال بہترین مثال ہیں۔ بہت عرصے تک فارسی زبان ایک سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ دوسری طرف، مختلف علماء اور شعراء نے ادب فارسی اور تحقیق و تخلیق کے حوالے سے بہترین کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی تصنیف ”شکرستان روہ“ قابل ذکر ہے، جس میں تقریباً 400 کے لگ بھگ شعراء کے احوال، آثار، اور تفصیلی تذکرہ بہترین کلام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جنہوں نے فارسی زبان میں شاعری کی۔

اسی طرح، اہل فارس میں بھی ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی کتاب ”شیر و شکر“ نے ایک وقت میں پشتو اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اپنے ایک انٹرویو میں ”شیر و شکر“ کا تعارف بیان کرتے ہوئے کہا:

”2003 میں، اُس وقت ایران کے صدر محمد خاتمی تھے۔ انہوں نے اقوام متحدہ کو تجویز دی کہ ’ڈائلاگ بیٹین سویلائزیشن کاسال قرار دیا جائے، یعنی تمدنوں اور تہذیبوں کے درمیان گفتگو کاسال قرار دیا جائے۔ تو عین اسی زمانے میں، یعنی 2003ء میں، افغانستان میں پشتو اور فارسی بولنے والے ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔ فارسی بولنے والے پشتو بولنے والوں کو مار رہے تھے، اور پشتو بولنے والے فارسی بولنے والوں کو مار رہے تھے۔ تو میں نے سوچا، یہ تو سیاسی اور عالمی ایجنڈے ہیں، لیکن اہل علم و ادب نے قوموں کو جو پیغام ابدی اور پیغام جاوداں دیا ہے، میں نے اسی آئیڈیال پر کام کرنا شروع کیا اور ’شیر و شکر‘ کو لکھا۔“ (8)

انسان بہت دفعہ غلط چیزوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ رنگ، نسل، جغرافیہ، اور بعض اوقات دیگر فروغی اختلافات کی بنیاد پر ایک دوسرے کا خون بہاتا ہے۔ لیکن ادب انسان کو ہر وقت سلامتی، اخوت، اور یگانیت کا درس دیتا ہے۔ انسان کو محبت اور عاجزی میں رہنے کا درس دیتا ہے اور احساسات کو سمجھنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس سے 20 سال پہلے، جب افغانستان میں لوگوں کا خون بہایا جا رہا تھا، تو اُس وقت دیگر حساس لوگوں کی طرح ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے بھی افسوس کرنے میں مصروف رہے۔ انہوں نے کبھی مایوسی اور ناامیدی کو اپنے راستے میں آنے نہیں دیا اور اپنی مایہ ناز کتاب تصنیف کی۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی ”شیر و شکر“ کی وسعت، حدود و قیود کے متعلق لکھتے ہیں:

”شیر و شکر کی یہ صنعت شعر و ادب کی تاثیر کی ایک نمایاں دلیل ہے، جو انسان کو تمام حدود و قیود سے بے نیاز کر کے بین الاقوامی انسان کے ذہن اور دائرے میں ایک دوسرے سے منسلک کرتی ہے۔“ (9)

زبان تہذیبوں کی سفیر ہوتی ہے۔ 2001ء میں ایران کے اُس وقت کے صدر محمد خاتمی نے اقوام متحدہ کو ایک تجویز دی کہ 2003ء کو تہذیبوں کے درمیان مکالمے، گفتگو، اور بین تمدن کا سال قرار دیا جائے۔ اقوام متحدہ، جس کا مقصد عالمی ہم آہنگی ہے، نے اسے قبول کیا۔ ڈاکٹر عبد الرؤف کے مطابق، اگر اقوام متحدہ انسانی امن و سلامتی کے لیے اہم کردار ادا کرتی رہے اور اُن کی تحقیقات کی پذیرائی بھی کرتی رہے، تو تیسری دنیا کے پسماندہ خطوں میں بسنے والی اقوام کی زبانوں پر کام اور سرپرستی کی عالمی سطح پر ضرورت ہے۔ ان زبانوں کے الفاظ، اصطلاحات، تہذیبی طور طریقوں پر مربوط انداز میں تحقیق و تبادلہ اقوام میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں معاون ہو سکتا ہے۔

”شعر و شکر“ میں ڈاکٹر عبد الرؤف رفیق کی نے جن شعر کا تذکرہ کیا ہے ان میں احمد شاہ ابدالی، اختر محمد اول، اسلم شاہ بادام، گل چشتی بھائی جان صاحبزادہ تاج الملوک، خان حبیب اللہ، حضرت شاہ حکیم، محمد عیسیٰ خدابخش خوشحال خان خٹک، از محمد سید احمد شاہ، افضل شاہ عالم، عبد الرافع، عبد الرحمن بابا، محمد رفیق، محمد دین، محمد شریف جانا کا کر کندھاری، محمد ظاہر ابدالی، محمد یعقوب پشین، معز اللہ خان، ملاشاد خان، میان نعیم مرزا عبد الرحیم میر علی انڈر نجیب نور اللہ الخان اور یونس جیسی شخصیات شامل ہیں۔ الف سے شروع ہونے والے نامور شعر امین عبد القاسم، ابو محمد ہاشم، احسن خان افغانی، احمد جان تاج، احمد جان خان، طیب احمد خان، احمد خان احمد، احمد خان افغانی، احمد خان، مولوی احمد خلیل اور احمد شاہ ابدالی شامل ہیں۔

اب القاسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اب القاسم کا تعلق قبیلہ صانی سے تھا ابو محمد ہاشم کا شمار پشتو کے بہترین شعر امین ہوتا ہے تیسری صدی کا یہ شاعر بلند مقام رکھتا ہے۔“

احسن خان افغانی کے متعلق ڈاکٹر عبد الرؤف رفیق لکھتے ہیں:

”تین تذکرے میں موصوف سے متعلق درج ہے کہ آپ شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے فرصت کے اوقات میں کبھی کبھی شعر پڑھا کرتے تھے۔“

مولوی احمد خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ جناب مولوی احمد پشاوڑ کے رہنے والے تھے اور تصوف سے خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔

احمد جان خان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ کا ایک فارسی میں مقالہ تحریر ہوا جو کہ 1312 ہجری کے اختتام پر شائع ہوا۔ 26 صفحات پر مشتمل ہیں اور فیصل عبدالشکور کے کتابی خانے میں ایک کتاب کی شکل میں محفوظ ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ بانی مجدد اور فاتح مشہور ہیں آپ کا کام تاریخ کی اہمیت میں خاصہ بڑا ہے اور اسی اہمیت کی بنا پر افغانستانوں نے انہیں بابا کا خطاب دیا احمد شاہ عبدال کی ابتدائی زندگی کے بعد ڈاکٹر عبد الرؤف نے حکومتی سرگرمیوں کے متعلق بیان کیا ہے کہ حکومت سنبھالنے ہی احمد شاہ عبدالی نے ملک گیری کا عزم لیا افغانستان بخارا حراسہ فتح کر کے ہندوستان کا رخ کیا اور 1174 میں پانی پت کے میدان میں 10 لاکھ بے جگڑوں سے لڑ کر انہیں شکست دی اور آپ پھر اس کے بعد افغانستان آئے اور انہوں نے بے شمار تصانیف لکھیں جو کہ خاص طور پر پشتو دیوان میں شامل ہے۔

احمد شاہ ابدالی کی تصوف پر لکھی ہوئی کتاب قلمی نسخہ محفوظ وزارت اور اطلاعات اور ثقافت کا قلمی نمونہ بھی محفوظ ہے۔

احمد شاہ کو مرحوم میاں فقیر اللہ جلال آبادی شکار پور نے عربی میں مکتوبات لکھیں اس کے بعد ڈاکٹر عبد الرؤف رفیق کے مطابق روشنی تحریک سے وابستہ بھی رہے ان کے والد کا نام برہان خان تھا اور تعلق قبیلہ خلیجی سے تھا پنجاب کے شہر قصور میں رہنے والے تھے اور بایزید لبطامی کے خلفاء میں سے تھے آپ کو بے شمار زبانوں جیسے پشتو فارسی ہندی اور عربی میں عبور حاصل تھا ان کی تصانیف درج ذیل ہیں۔

”پشتو دیوان“

”حضرت رسول خوب“

”ارزانی“ کا منشور رسالہ

”چھاپ ادار“

”ہندی دیوان“

”فارسی دیوان“

”عربی دیوان“

”دازدانی“
”المحققین“

آپ کے فارسی کلام میں بے شمار فکری اثرات پائے جاتے ہیں جن کو تصوف اور روحانی کی باریکیوں سے زیر بحث لایا گیا ہے۔
انشاء اللہ خان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انشاء اللہ خان کا تعلق حکیم میر ماشاء اللہ کے خاندان سے ہے، جو کہ کے افغان کے رہنے والے تھے۔ انشاء اللہ خان نے پشتو قواعد میں بھی حصہ لیا، اور انہوں نے پشتو دانی میں بے شمار کتب تحریر کیں۔ انہوں نے ”دریائے لطافت“ میں پہلی اردو گرامر کے ساتھ پشتو گرامر بھی لکھی۔ انشاء اللہ خان موشن آباد میں پیدا ہوئے، لیکن شاہ عالم کے زمانے میں دلی آگئے۔ شاہ عالم نے اپنی بڑی قدر کی، لیکن دلی کی تباہی کے بعد انہوں نے لکھنؤ کا رخ اختیار کیا اور پھر شہزادہ سلیمان کی ملازمت اختیار کی۔ اپنی آخری زندگی ان کے پاس گزاری اور 1817ء میں وفات پائی۔

اس کے بعد بایزید انصاری، بیوجان، برکت خان، برکت اللہ، برہان الدین، بسم اللہ معنوم، بشیر الدین، بلقیس، بہائی جان صاحبزادہ، اور بہاول دین شامل ہیں۔
ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے ان کے احوال اور شاعری کو اکٹھا کر کے اپنے مقالہ میں پیش کیا ہے، جس کا تذکرہ درج ذیل ہے:

بھائی عزیز انصاری سراج الدین بایزید انصاری کے خاندان سے ہیں، جو لندن میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ سولہویں صدی کے نامور صوفی، بزرگ، شاعر، مبلغ، عالم، مجاہد، اور ادیب گزرے ہیں۔ ان کی تحریک میں کئی عوامل شامل ہیں، جن میں سے ایک ان کی پیدائش کے ایک سال بعد پانی پت کے میدان پر ابراہیم لودھی کو شکست دینا تھا، جس کی وجہ سے افغان حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد ایک اہم سبب روحانی انتشار بھی تھا۔

ان کی تصانیف میں ”خیر البیان“، ”مقصود المؤمنین“، ”صراط الطالبین“، ”حال نامہ“ اور پشتو رسم الخط شامل ہیں۔ ”خیر البیان“ کو چار زبانوں—پشتو، عربی، فارسی، اور پنجابی—میں تحریر کیا گیا۔ اس کا کلمی نسخہ پشتو اکیڈمی کے بانی مولانا عبدالقادر نے جرمنی میں دریافت کیا، جو کہ 1927ء میں شائع ہوا۔ اس کے مقدموں اور حواشی میں انہوں نے اس کا نکتہ بیان کیا ہے، جو کہ 1354ء میں شائع ہوا۔
کامل کے آثار و تالیفات میں درج ذیل کتب قابل ذکر ہیں:

آثار و تالیفات:

کلیات خوشحال خان خٹک: انتقادی متن کی ترتیب، مفصل مقدمہ، اور مفصل تعلیقات کے ساتھ شاعر کا مفصل تعارف۔ پشاور سے شائع ہوئی۔
دیوان سکندر خان خٹک: انتقادی متن کی ترتیب، مفصل مقدمہ، اور مفصل تعلیقات کے ساتھ پشاور سے شائع ہوئی۔
تاریخ مرصع 1974ء: میں پشاور سے شائع ہوئی۔ اس میں انتقادی متن اور مفصل تعلیقات شامل کیے گئے ہیں۔
خوشحال خان خٹک: اردو میں خوشحال خان کی حیات و افکار پر تحقیق۔ یہ کتاب 1951ء میں پشاور سے شائع ہوئی۔
رحمان بابا: رحمان بابا کی حیات و افکار پر مشتمل یہ تحقیقی و تعارفی اثر 1951ء میں پشاور سے شائع ہو چکا ہے۔
لار علی خان کے قبیلے سے متعلق تحقیق 1959ء: میں لار مجلہ میں شائع ہوا۔

کامل محمد کو حکومت پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف میں ”پرائڈ آف پرفارمنس“ بھی دیا تھا، لیکن کامل نے اسے مسترد کر کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس کو علییت کی توہین سمجھتے تھے، کیونکہ بقول ان کے، یہی ایوارڈ ایک گلوکار یا فلمی اداکار کو بھی دیا جاتا ہے، اور ایک دانشور اور سکالر کو بھی۔ اس وجہ سے انہوں نے یہ ایوارڈ قبول نہیں کیا۔

سلطان شاہ کاکڑ پشتو اور فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ سب سے پہلے ادبی دنیا میں پروفیسر ولی محمد خان سیال کاکڑ نے انہیں متعارف کرایا۔ اگرچہ اس سے پہلے حافظ خان محمد مرحوم نے اپنے تذکرہ ”کسے گلاں“ میں مولف پر مختصر تعریف فرمائی تھی۔

ملاسلطان شاہ، ملاجمان گل کے بیٹے اور مشہور شاعر اور عالم دین ملاجان محمد کاکڑ کے پوتے تھے۔ پروفیسر سیال کاکڑ نے ان کا قبیلوی تعارف یوں کیا ہے: ”ملاسلطان شاہ بن ملاجان گل بن ملاجان محمد کاکڑ بن خان محمد بن داوان بن سلطان مرجان زئی برابم زئی بیان زئی شازئی سنزر خیل کاکڑ۔“
ملاسلطان شاہ کے آثار و تالیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی لکھتے ہیں:

”ملاسلطان شاہ کے ہزاروں تعریفات کے متعلق ابھی تک ہماری تحقیقات پوری نہیں ہے صرف حافظ خان محمد نے مختصر تذکرہ کیا ہے کہ اخلاق و تصوف کے موضوع پر ایک پشتو فارسی منظوم کتاب لکھی ہے جو تصوف کے مسائل کے متعلق ہے جو کہ احکام ناصحہ کے نام سے موسوم ہے البتہ ایک مثنوی پشتو میں لکھی ہے جو تصوف کے مسائل کے متعلق ہے اور ایک فارسی مسنوی لکھی ہے جبکہ پروفیسر کا کڑنے نے بھی ان کے پشتو و فارسی اشعار کے دفتر کا تذکرہ کیا ہے۔“

ان کے فارسی کلام میں گرتو داری تمیز سلطان شاہ ندانی طالب علم کن پند بشتوز سلطان شاہ شامل کیا گیا ہے۔ شہیر حسن خان، جوش ملی آبادی، شہیر حسن نام جوش تخلیق شاعر انقلاب خطاب نسل علی خیل آفریدی اردو و فارسی کے مشہور شاعر تھے اردو شعر و ادب کے حوالے سے ان کی خدمات و تجربات ایک مستقل ب آپ کی حیثیت رکھتے ہیں رگوں میں پٹھان خون مزاج میں جوش و جذبہ ماحول ملی آباد کا واقعہ جوش جیسا شاعر بن سکتا ہے۔ جوش نے ابتدائی تعلیم گھر سے حاصل کی اردو فارسی کتابیں پڑھیں پھر انگریزی کے لیے ستاپور سکول لکھنؤ پھر علی گڑھ کالج داخل ہوئے مگر کچھ گھریلو مصروفیات کی وجہ سے مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے 1924ء میں جوش سرکار نظام میں دارالترجمہ سے منسلک ہو گئے 1944ء میں ناظر ادب کے عہدے سے علیحدہ ہوئے کچھ عرصہ دہلی میں اپنا ادبی رسالہ کلیم نکالتے رہے پھر ہندوستان کے معروف سرکاری رسالے ”آج کل“ کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے 1948ء سے 1955ء میں تقسیم ہند کے 10 سال بعد 1957ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور یہیں پر سکونت اختیار کی جوش نے 1982ء میں رحلت فرمائی۔ جوش کی شخصیت شاعری اور فن پر بے شمار مقالہ نگاروں نے انگریزی سے کام کیا ہے کئی نقادوں نے ان کے فن کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا۔ کئی سخن واران نے ان کی ادبی عظمت کو داد تحسین سے نوازا اور بعض نے انہیں طہد کہا تو کئی نے ان کی پوجا کی ہے۔

لیکن جوش کی فارسی شاعری کے متعلق ڈاکٹر سبت حسن رضوی نے جو کچھ لکھا وہ بھی مسلمہ حقیقت ہے جدید چورائے اردو میں جوش کی شاعری کے متعلق لکھا گیا ہے کہ اگرچہ جوش کے موضوعات شاعری جدید تھے مگر پھر بھی وہ کافی اوزان کے کالے سے باہر نہیں نکلے اور اپنے خیالات کو نہایت اچھے طریقے سے بیان کیا جوش نے اپنے پرجوش اور گرمادینے والے اشعار کے ذریعے ستم دیدگان کو تازہ روح فراہم کی ہیں یہ کہنا بے جا نا ہو گا کہ برصغیر پاک و ہند کی آزادی میں افکار جوش نے اہم کردار ادا کیا اور کئی بار غیروں کی قید و ستم کی زد میں رہے لیکن اپنے موقف پر ڈٹے ہی رہے اور اپنے منظومات میں سیاسی افکار کا اظہار کیا۔

اردو حروف تہجی میں ص تاغ میں ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے جن افغان شعر کا تذکرہ کیا ہے ان میں صاحبزادہ حمید اللہ صاحبزادہ سید غلام قادر صادقی قندھاری، صالح محمد بڑیچ صاحب محمد ہوسنگ صدیق صدیقی صفی اللہ صیام الدین کچوری ضیاء الدین لاج وری طاہر قندھاری عابد پشاوری عارف افغانی عاشق علی خان ایماہ خٹک عائشہ افغان عبدالباری غیرت عبدالجبار بنگش عبدالاحد خلیز عبدالحمید تاثیر عبدالحق زبور عبدالحلیم مردانی عبدالحمد افغانی عبدالحمد خان صوفی عبدالحمد خان قندھاری عبدالحنان عبدالحنان عبدالحنان احقر عبدالحنان حامی عبدالحی جیبی عبدالحی ناطق عبدالحق اخلص عبدالرحمن ازہر القادری عبدالرحمن بابا عبدالرحمان پشواک عبدالرحمن ثانی روکا عبدالرحمن چکنی عبدالرحمن لودین، ربی مولانا فضل الرحمن فیضان فضل محمود مخفی فقیر محمد خجری فیض اللہ خان فیض اللہ قریشی اور فیض محمد آخوندزادہ شامل تصنیف ہیں۔ ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے ان شعراء کے کوائف آثار اور ان کے فارسی کلام کو بھی شامل کیا ہے اختصار مقالہ کی وجہ سے بزیل میں چند ایک کو ہی پیش کیا جاتا ہے۔

پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ 1306 ہجری ق کو کلی فیض آباد جانب جنوب شہر پشین میں پیدا ہوئے انہوں نے میٹرک 1957ء میں ہائی سکول پشین ایف اے کوئٹہ کالج 1957ء بی اے 1960ء ڈگری کالج کوئٹہ ایم اے اردو 1963ء پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ ایم اے عربی 1964ء پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ ایم اے فارسی 1965ء پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ ایم اے تاریخ 1971ء پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ ایم اے سیاسیات 1972ء پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ ڈپلومہ لغات تطبیقی ریاض یونیورسٹی سعودی عرب 1978ء 19 نومبر 1960ء کو صاحبزادہ حمید اللہ کا بطور ایس ایس ٹی آرڈر ہوا۔ 25 ستمبر 1995ء کو آپ نے ریٹائرمنٹ لے لی۔ پروفیسر صاحبزادہ ہمیں دلہ کی عدی خدمات کو عباسی نے یوں قلم بند کیا ہے۔ آپ پانچ زبانوں پشتو عربی فارسی اردو انگریزی میں شاعری کرتے تھے ان سپانوں میں نظم و نثر کی 52 کتب تباہ ہوئی جبکہ غیر متبہ کتب کی تعداد 53 ہے 1962ء اور 1980ء سے پشتو ادبی بورڈ کی تاسیس رکھی 1974ء میں مشین میں انجمن شور ادب کی بنیاد رکھی اور آپ کے علم و ادبی خدمات کے اعتراف میں 1990ء میں پشتو عالمی کانفرنس کوئٹہ گولڈ میڈل 1995ء میں یوتھ ارگنائزیشن کی جانب سے گولڈ میڈل حاصل کیا 1997ء میں خدمت خلق فاؤنڈیشن کی جانب سے گولڈ میڈل اور 1998ء میں پشتو کلچرل اور سوسائٹی راولپنڈی کی جانب سے گولڈ میڈل عطا ہوا۔

پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ کی تصنیف اور تالیفات کی فہرست بہت لمبی ہے ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی کے مطابق ان کی کتب جو کہ پشتو عربیک عربی زبان میں لکھی اور 52 صفات پر مشتمل ہے جو کہ اردو پشتو فارسی اور انگریزی زبانوں میں ہے اور ان کی صاحبزادہ حمید اللہ چونکہ فارسی میں بھی شاعری کرتے اور فارسی سے بے حد محبت رکھتے تھے

توانہوں نے ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے فارسی کلام میں سے غزل کا انتخاب کیا اور اس کو اپنی کتاب میں شامل کیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مطابق طاہر کدھاری کی تفصیلی حالات نہیں مل سکے اس کے بعد عارف افغانی ان کا اصل نام بسم اللہ تھا اور قلمی نام عارف افغانی تھا ان کا تعلق کراچی کے گھرانے سے تھا یکم جنوری 1940ء میں صلہ پشین کہ ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اپنی ابتدائی تعلیم گھر سے حاصل کی اور اس کے بعد دینی تعلیم کے لیے قرأت سبعہ و تلاش پڑھیں اور ساتھ اسلام اکیڈمی میں نویں تک تعلیم حاصل کی۔

1958ء سے شاعری شروع کی۔ ابتدائی طور پر پشتو شاعری سے آغاز کیا، اور پھر فارسی، عربی، پنجابی، اور اردو میں بھی شاعری کرنے لگے۔ پروفیسر ولی محمد کاکڑ کے مطابق، عارف نے انسانی زندگی اور کائنات کی گہرائی سے تعلق رکھنے والے موضوعات کو اپنے اشعار میں سمویا۔ جو کچھ ہاتھ آتا تھا، اسے اشعار میں لکھ لیتے تھے۔ عارف افغانی کے افغان حیات برجستہ مزین سے نمایاں کیے گئے ہیں، اور ان کے اشعار اصلاحی، فلسفی، اخلاقی، اور تنزیہیہ کے مطابق ہیں۔

علامہ عبدالحئی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پشتو زبان، ادب، اور تاریخ اس حوالے سے نہایت خوش قسمت ہے کہ علامہ عبدالحئی جیسے شاعر اور عالم پیدا ہوئے۔ ان کے قلم اور تحقیقات ہمیشہ پشتو ادب کے بنیادی ماخذ رہے ہیں، اور ان کے نوشتہ جات کو ابواب دوام کی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ، تحقیق ہو یا تنقید، نثر ہو یا شعر، کون سا دبستان ہے جس میں اس خوش نوا بلبل نے اپنی آواز کا جاوونہ جگایا ہو؟

علامہ عبدالحئی کا تعلق اندھار کے مردوم خلیفہ کے ایک نہایت علمی اور ادبی گھرانے سے ہے۔ آپ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے، اور میراث میں کچھ کتابیں اور بعض رسائل چھوڑ گئے۔ 1299ء میں آپ نے کندھار کے شاہی مارکتب میں داخلہ لیا اور چھ سال تک اس ادارے سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔

علامہ عبدالحئی کندھار کے مردوم خلیفہ کے ایک نہایت علمی اور ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ 1306ء میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور کم عمری میں ہی درسگاہ مدرسے میں مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ شہر کے بڑے بڑے مدارس میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ مدرسہ نظامیہ دکن، ہندوستان کے فارغ التحصیل تھے اور فقہ الحیات کے استاد مانے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ، آپ ایرانی دانشوروں جیسے سید حسن تقی زادہ، علامہ مرزا احمد، سید محمد جمال زادہ وغیرہ کے علمی اور ادبی خدمات سے مستفید ہوئے۔

آپ نے بے شمار تحقیقی اصولوں پر کام کیا۔ علامہ عبدالحئی اپنی زندگی میں مختلف ملازمتوں میں مصروف رہے اور علم و ادب کو فروغ دیتے رہے۔ آخر کار، فلک ادب کا یہ درخشندہ آفتاب 1364ء میں غروب ہو گیا۔ علامہ عبدالحئی نے اپنی 74 سالہ زندگی میں سینکڑوں علمی، ادبی، تاریخی، اور سیاسی تحقیقات کی۔ انہوں نے انگریزی میں بھی مقالہ جات تحریر کیے۔ علم و ادب کے بے شمار نایاب تحفے ان سے منسوب ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے علامہ عبدالحئی کی تالیفات، تصنیفات، تراجم، اور مقابلہ جات کی فہرست تیار کر کے اسے اپنے مقالے میں تحریر کیا:

”نصر ادارہ رسالہ ہفتگی“

”نشر اور ریاست مجلہ کابل“

”نشر جلد خود آموز پشتو“

”علی بسبر“

”وضع اصطلاحات“

”تاریخچہ“

”تاریخچہ ادویات“

”پیغام شہید“

”اشارے دیوان تیمور شاہ افغان“

”تحقیقات راجہ“

”خلیلی نامہ“

”شاعرانہ اندیشہ“

”پشتو تاریخ و لغت“

”اسانی نغمی“

”امیر کروڑ“

”پشتو سنز“

”پشتو شعراء“

”افغانستان بعد از اسلام“

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے جن شعرا کا تذکرہ کیا ہے ان میں فاضل محمد فضل، فضل حق شیدا، فضل ربی، مولانا فضل الرحمن، فضل محمود، فقیر محمد، فیض اللہ خان، فیض اللہ قریشی، فیض محمد، قاسم علی خان آفریدی، قاضی عبدالصمد، قاضی عبدالواحد، قاضی علیم اللہ، قاضی محمد یوسف قاسم، مہر عالم قلندر، قیام الدین خادم، کاظم خان شیدا، کر ولدین، کریم داد خان، کفایت اللہ خان، قلب علی خان، گلپاچہ گل محمد، افغان گوہر خان گوہر، قابلی لال بادشاہ، لال محمد قریشی، مہارفتانی مجیب اللہ، محمد اسد ملتانی، محمد اسحاق، محمد اسلم، خان محمد اسماعیل، محمد اکرم خان، محمد امین، محمد اندلیب، محمد انور، محمد جان، صاحبزادہ محمد جان، محمد عمر خان، محمد غوس خطب شاہی پشاور، محمد فیاض الدین خان، محمد مظفر، محمد نوائف، نائب محمد یار، مروت محمد یعقوب، محمد یوسف، محمد ہاشم، محمد فرانی، مراد علی، صاحبزادہ مرتضیٰ خان، دوران مرزا ابراہیم، مرزا امان اللہ خان، مرزا حنان، مرزا عباس، مرزا عبد احمد کشمیری، مرزا عبد الرحیم، مرزا محمد ایوب، مرزا احمد جان، مرزا منصور مسافر، مروت مظفر خان، مروت منصور شاہ خان، میاں جناب کاکاخیل، میاں حبیب گل، میاں احمد اللہ، فقیر میاں قمر الدین، میاں کریم داد، میاں گل صاحبزادہ، میاں نعیم، میاں وسیم، میجر صاحبزادہ میر احمد شاہ رضوانی، میر عبد الرحیم، مرزا میر عبد اللہ، میر عبد الحادی، میر علی انڈر ٹلی، علی نواز میر، محمد حسن فطرت جیسے شعراء شامل ہیں۔

”مقصود المومن“ کو عربی میں تحریر کیا گیا جو انہوں نے اپنے بیٹے شیخ عمر کے کہنے پر لکھی جو تصوف اور کئی شرعی موضوعات سے متعلق ہے اس کا قلمی نسخہ مولانا محمد شفیع کی لائبریری میں موجود ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے ب، پ، ت سے جن شعراء کا تذکرہ کیا ہے ان میں پروین یژواک، پروین فیض، پیر محمد کاکر، پیر معظم شاہ تاج، بیگ مومن، تاج الملوک، تیمور شاہ دوران اور شاہ اللہ خان لودھی شامل ہیں۔ خواتین شہورہ میں پروین یژواک اور پروین فیض کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف لکھتے ہیں کہ پروین یژواک کا شمار افغانستان کے جدید فارسی شاعرات میں ہوتا ہے اور آپ 1966ء میں قابل میں پیدا ہوئی آپ نے افغانستان میں تعلیم حاصل کر کے روسی انقلاب برپا کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے فارسی میں چند نمونے بھی پیش کیے ہیں جن میں زمستان صدف ترسم شامل ہے۔

پیر محمد کاکر کا شمار درخشندہ ستارے میں ہوتا ہے انہوں نے پشتو شاعری میں اپنی الگ سبق بنانے کی کوشش کی۔ تکمیل علم کے بعد انہوں نے علم کی سر زمین میں قدم رکھا اور اپنی بہترین صلاحیتوں سے خوبصورت شاعری کا انداز اپنایا پیر محمد کاکر میں حضرت جی قبرستان میں شاہ ویالہ کے کنارے دفن ہیں۔

آپ کی تالیف درج ذیل ہے۔

”معرفت الافغانی“

یہ پشتو زبان کی پہلی کراہ ہے جو پیر محمد کاکر نے شہزادہ سلیمان کے لیے لکھی۔

”ض دیوان پیر محمد کاکر یہ دیوان“ پشتو میں شائع کیا گیا اور اس کے آخر میں پشتو باعیمات مخمس اور آنکھوں میں چند فارسی اشعار پیش کیے گئے جو کہ امیر محمد پشاور کی جانب سے دلی میں شائع ہوا۔

پشتون کی یہ تاریخ احمد شاہ بابا کے کہنے پر پیر محمد کاکر نے لکھی۔ یہ پشتو نسخہ امیر عبدالرحمن کے دربار میں موجود تھا، لیکن یہ نسخہ 1300 ہجری کے بعد کسی بیرونی ملک لے جایا گیا، اور اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

پیر محمد کاکر نے فارسی ادبیات میں بہت کام کیا، اور ان کا فارسی سے بہت گہرا تعلق تھا۔ انہوں نے فارسی شاعری میں بھی کافی مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے مطابق، پیر محمد کاکر نے سعدی اور حافظ کی طرح شیرین فارسی شاعری کی۔ ڈاکٹر انعام الحق لکھتے ہیں کہ آپ کے پشتو کلمات فارسی اور عربی میں لکھے گئے ہیں۔

تیمور شاہ درانی، تیمور شاہ درانی مشہور و معروف افغانی فاتح احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تھے۔ والد کی وفات کے بعد 1786ء میں تیمور شاہ درانی تخت نشین ہوئے، اور اپنی

حکومت سنبھالتے ہی دارالسلطنت کو قندھار سے کابل منتقل کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی کے انتقال کے بعد پنجاب میں سکھوں نے بغاوت شروع کر دی، جسے تیمور شاہ نے کچل دیا۔ تیمور شاہ نے ہندوستان پر کئی بار حملے کیے۔ تیمور شاہ تقریباً 22 سال تک حکومت کرنے کے بعد 1208ء میں انتقال کر گئے۔

مرشد کے فارسی کلام کے انتخاب میں ہمارا منبج بہترین ہے، جسے عزیز الدین وکیلی نے مرتب کیا۔ موضوعات کو ترتیب دینے کے علاوہ، ان کی جلد سوم اور جلد پنجم میں باقاعدہ عنوانات کے تحت 14 صفات پر تیمور شاہ کے فارسی اشعار کو لاجواب قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے 30 اشعار کا ذکر کیا ہے، جن میں جمال کندھاری، جنونی کندھاری، حافظ محمد خان، حافظ رحمت اللہ خان، حافظ سید نجیب، حافظ شیر محمد، حافظ محمد ابراہیم، حافظ محمد صدیق، حافظ نصیر الدین، حافظ یار خان، حبیب اللہ، حبیب اللہ رفیع، حسن کندھاری، حضرت شاہ حکیم محمد عیسیٰ ترین، حکیم محمد یوسف، حمد اللہ، مولوی حمید اللہ، حمید خلیل اللہ، خلیل خوشحال خان خٹک جیسے شعر شامل ہیں۔

چاند کا تعلق پشتون خاندان سے ہے۔ انہوں نے پشتو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی خصوصی نظمیں تحریر کیں۔ ان کا اصل نام جانان ہے، اور ان کے بزرگ مشہور علماء تھے۔ جبکہ خود چاند بھی ایک عالم انسان تھے، اس لیے ان کے خاندان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے خاندان میں پہلے شاہ جوئی اور بعد میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر مرغانامی مقام پر سکونت اختیار کی۔ ایک خط جو خلیفہ محمد عثمان نقشبند نے موصوف کو بھیجا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلام رسول خان کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی میرا نسب چاہے تو میں خلیجی ہوں۔ میرے عزیز واقارب ہیں، جبکہ مرغامیرا مسکن ہے، اور میں عبدالرحیم شاہ کی اولاد سے ہوں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی ان کی تالیفات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کا پشتو اور فارسی میں دیوان ہے، جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس کی پہلی جلد 235 صفحات، دوسری جلد 494 صفحات، اور تیسری جلد 298 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کل 1027 صفحات بنتے ہیں۔

حافظ خان محمد بلوچستان کے حوالے سے علمی و ادبی دنیا کے مختلف حلقوں کے لیے حافظ خان محمد مرحوم کی خدمات عرصہ دراز تک یاد رکھی جائیں گی۔ اس لیے اس خطے میں شمع عرفان اور چراغ علم و ادب روشن کرنے والی اس ہستی کا تعلق ضلع پشین کی کلی خانوزئی سے ہے۔ نسلاً پانی زئی کا کڑتھے، والد کا نام عبدالرحیم تھا۔ حافظ خان محمد نے 16 اگست 1957ء کو وفات پائی۔ پسماندگان میں فرزند حاجی عزیز الرحمن پانی زئی ہیں، جو ایک خلیق انسان ہیں اور طباعت و کتب فروشی کے آبائی پیشے سے وابستہ ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے حبیب الرحمن ہیں، جبکہ تیسرے فرزند کا نام فضل الرحمن ہے، جو ممتاز ماہر تعلیم مانے جاتے ہیں۔

ان کے آثار و تالیفات درج ذیل ہیں:

”مختصر سیرت پشتو“ میاں عبدالکلیم کاکڑ کا مختصر سیرت پشتو مطبوعہ 1370 ہجری میں شائع ہوا۔

”پنج گنج“ فارسی حاشیہ مطبوعہ

”تحفہ نصائح“ فارسی حاشیہ مطبوعہ

”نور الظلم“ پشتو اور فارسی ترجمہ

”دکے گلدان“ یہ پشتو شعر اکا تذکرہ ہے جس میں 123 شعر اکا تعارف و نمونہ کلام شامل ہے حافظ خان محمد کے لائق بیٹے عزیز الرحمن نے پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ خان صاحب کے مقدمے کے ساتھ 1979ء بمطابق 1409 ہجری کو 240 صفحات پر شائع کیا جو ایک مستحسن اقدام ہیں۔

دیوان حافظ خان محمدیہ حافظ خان محمد مرحوم کے اشعار کا دیوان ہے جس کو ان کے بیٹے عزیز الرحمن بانی زائی نے پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ خان کے مقدمے اور پروفیسر ولی محمد خان سیال کاکڑ کے تعارف کے ساتھ 1958ء باب مطابق 1405 ہجری کو 87 صفحات پر شائع کیا ہے۔ اس میں غزلیات نظم رباعیات متفرقات کے علاوہ فارسی شاعری کے نمونے شامل ہیں جبکہ حافظ خان محمد کے غیر مطبوعہ کتب ذیل میں ہیں۔

”ہزارہ احادیث“ پشتو میں ترجمہ

”الانسان“ محی الدین ابن عربی کی تعریف کا پشتو ترجمہ

”تاریخ الحماہ“ قدیم حکما کا تذکرہ تاریخ الحکمہ“ کا پشتو میں ترجمہ

”اسلامی ژوند“

”پشتو لہجہ“

”حاشیہ حافظ شیرازی کے دیوان“ پر حاشیہ

”حاشیہ یوسف زلیخا کا حاشیہ“

”علاقائی جڑی بوٹیوں سے امراض کا علاج“

پشتو کا جدید چین بے نظیر حافظ خان محمد مرحوم کی فارسی شناسی سے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ان کا فارسی ادبیات سے عموماً اور فارسی شاعری سے خصوصاً لگاؤ تھا۔ بلکہ وہ اپنی شاعری کا سبب فارسی کتب شعر کا مطالعہ بتاتے ہیں۔

آثار و تالیفات حافظ خان محمد پر تبصرہ کرتے ہوئے عبدالرؤف رفیقی لکھتے ہیں کہ آثار و تالیفات کی فہرست سے بخوبی عیاں ہے کہ انہوں نے فارسی شاعری کا کس حد تک مطالعہ کیا تھا۔ بلکہ بعض کتب پر تو حاشیہ بھی لکھے، جن میں ”پنج گنج“، ”تحفہ نصائح“، ”دیوان حافظ شیرازی“، ”یوسف وزلیخا“ شامل ہیں۔

حافظ محمد صدیق کے حالات زندگی اور آثار سے متعلق واحد ماخذ پاکستان میں فارسی ادب ہے، جس کی جلد سوم میں ڈاکٹر ظہور الدین احمد لکھتے ہیں: ”حافظ محمد صدیق بن محمد حنیف بن محمد لطیف عالم فاضل، محدث، اور اعلیٰ درجے کے ادیب اور اہل قلم تھے۔ ان کے آباؤ اجداد کابل سے لاہور آئے اور مسجد وزیر خان کے امام مقرر ہوئے۔ محمد صدیق 1180 ہجری میں پیدا ہوئے۔ مولانا عابد صاحب کی تعلیمات تفسیر بیضاوی کی خدمت میں بسم اللہ شروع کی، ملا اسلام سے کلام اللہ پڑھا، پھر حفظ کیا۔ مرزا مظہر اللہ، ملاحظہ اللہ، مولوی عبد اللہ، ملا ظہور اللہ، اور مولانا شہر یار سے فقہ و حدیث اور دیگر علوم مقبول و منقول کی تکمیل کی۔ 1180 ہجری میں شیخ یحییٰ بن صالح کی (مدرس مسجد الحرام) اور شیخ ابوالحسن سندھی مدنی (مدرس مدینہ منورہ) سے حدیث کی سند حاصل کی۔ وہ مسجد وزیر خان کے جلیل القدر امام تھے۔ احمد شاہ درانی ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ وہ 1192 ہجری میں فوت ہوئے۔“

تصانیف

”مد اسلام“

”مسلک الدرالہ رسل عطر فی سر رسول انور“

”ہدیۃ انام للخطبایا“

”مدر لاسلام فی علم الکلام“

”شروط الایمان“

”القول الحق فی بیان ترک الشو والخلق“

”ترجمہ فقر محمدی“

”جامعہ احمد فارسی“

”زبدۃ الفرح فی معالجات ضعف الباء“

”تہذیر الخوان“

”توضیح السنۃ فی تفضیح البدعتہ“

حافظ محمد صدیق فارسی اور عربی میں اشعار کہتے تھے۔ طارق مخلص تھا دیوان کا نام مزمل الاحزان ہے۔

خوشحال خان کھٹک کا نام سنتے ہی ذہن میں پشتوزبان کا تصور ابھرتا ہے یا پھر پشتوزبان کا نام لیتے ہی خوشحال خان کھٹک کا نام نامی افق تصور پر نمودار ہوتا ہے خوشحال خان ہماجد شخصیت کے مالک تھے رزم بزم کے رموز سے آشنا تھے اور پہریات کے یہ تیرازندگی کے امواج کے رموز و اسرار سے بخوبی آگاہ تھے آپ کی شخصیت پر نظر ڈالی جائے تو انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ آپ نے بے شمار کارہائے نمایاں اس مستعدی سے انجام دیے ہیں کہ بعض اوقات ان پر مافوق البشر ہونے کا خیال گزرتا ہے۔ آپ کے آثار و تالیفات کو دیکھنے سے یہ حیرت دوچند ہو جاتی ہے طب نامہ میں ایک طبیب حاضر کے طور پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو دستار نامہ میں اخلاق کو قانون کا درس دیتے ہیں بعض نامہ میں ایک تجربہ کار شکاری کے روپ میں نظر آتے ہیں تو سوات نامہ میں مرغ جمال میں اے توحسینہ کے غموں سے برسریکار نظر آتے ہیں جبکہ جلال میں اے تو مغل سپاہیوں کے سانسے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

مستشرق ہنری جارج راورٹی کے مطابق خوشحال خان کی آثار و تالیفات کی تعداد ڈھائی سو ہے جبکہ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مطابق خوشحال خان خٹک کی بڑیل آثار و تالیفات ہیں:

”آثار و تالیفات“

”خوشحال دیوان“ خوشحال خان کا پشتو دیوان جو کہ 40 ہزار ادبیات پر مشتمل ہے۔
بعض نامہ بعض شاہین کے شکار نسل امراض کی روک تھام وغیرہ سے متعلق ہے۔

”ہدایہ“ مشہور فقہی کتاب کا پشتو ترجمہ

”آئینہ“ یہ کتاب بھی عربی سے پشتو میں ترجمہ ہوئی ہے۔

”فضل نامہ“ منظوم فقہی اور دیگر مذہبی مسائل پر مشتمل ہے۔

”سوات نامہ“ سوات کے متعلق یادداشتیں تاریخ اور جغرافیہ۔

”صحہ البدن یا طب نامہ طبی“ موضوعات پر مشتمل منظوم پشتو کتاب ”سرخ نامہ“ سیف و قلم کا مکانہ

فراک نامہ قید و بند کے زمانے کا منظوم اثر۔

”زنجیریں“ پشتو شارٹ پیئڈ سے متعلق کتاب۔

”دوستو تاریخ“ پشتو تاریخ

”ریاض الحقیقت“ مترجم

خوشحال خان خٹک کی شاعری پشتو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی ان کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ خوشحال خان کے زیادہ تر فارسی اشعار الف، ت، د، ر، ش، ف، م، ن، ی، و وغیرہ کی ردیفوں سے ملتے ہیں۔ آپ کے فارسی کلام میں غزلیات کے ساتھ رباعیات بھی شامل ہیں۔ فارسی اشعار میں خوشحال رومی تخلص رکھتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی یہ ایک اچھی ادبی کاوش ہے کہ انہوں نے ”شکرستان روہ“ میں شعر اکو حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دتاش میں جن شعر اکا ذکر ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے کیا، ان میں درویزہ ننگرہاری، دوست محمد خان کامل، مومن، دلاور خان، بیدل، تین محمد زنگیوال، ڈنگر، بابر، راحت اللہ، راحت، رضاء الحق مردانی، رضو گل، رکن الدین، روشن الدین خٹک، زیب النساء بانو، سردار احمد خان، سردار پیر دل خان، سردار عبدالرب نشتر، سردار عبدالرسول، سردار عزیز اللہ خان قنیل، سردار محمد حسن خان، سردار محمد عزیز خان، سردار محمد یوسف خان، یوسف پولیڑی، سردار مہر دل خان مشرقی، سردار نواز خان درانی، سردار ہارون خان، سید خٹک، سکندر لودھی، گلرخ، سلام اللہ خان، تسلیم، سلطان شاہ کاکڑ، سلطان محمد، سلطان محمد خالص، سلیمان لائق، سلیم خان لودھی، سمیع الدین ژوند، سید حسن، سید حسن خان حسن، شیون، سید حسین، سید شمس الدین مجروح، سید عابد شاہ عابد، سید عالم جان، سید عبدالحمید، سید علی بزرگر، سعید قمر علی شاہ قمر، سید لالاجی، سید محسن، سید محمد شفیع، سید مہربان، سید نور اللہ شاہ، شاہد خان پرگنہ، شاہراہی، شاہ بہلول برکی، شاہ جہاں بیگم، شاہ حسین ہوتک، شاہ شجاع الملک، شاہ مقصود گرم، شبیر حسن خان جوش ملی آبادی، شہزادہ عبدالرزاق دری، شہزادہ محمد یوسف، شہزادہ نادر، شہوار سنگرو، آل شیخ صدر الدین پشاور، شیخ عیسیٰ مشوانی، شیخ محمد حسین اگاہ، اور شیر خان لوتی شامل ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے مذکورہ شعر اکو کے احوال، آثار، اور تالیفات کو قلم بند کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

دوست محمد کامل مومن: دوست محمد نام، کامل تخلص، اور مومن قبیلے سے تعلق تھا۔ ان کی پیدائش 1915ء میں پشاور میں ہوئی۔ والد کا نام نوجوان خان تھا، جن کا آبائی گاؤں ڈاگی، تحصیل نوشہرہ ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے تعلیم و تربیت اور ملازمت کو قلم بند کرنے کے بعد ان کے ادبی کارناموں کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ کامل صاحب نے پشتو کے قدیم آثار کو جمع کر کے تدوین کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ تنقید نگار کی حیثیت سے کامل صاحب نے کئی شعراء کے آثار پر نقد تحریر کیا ہے۔ ان کے مقالہ جات مختلف رسالوں جیسے ”لار“، ”رہبر“، ”دوران“، ”منکیال“، ”الفلاح“، اور ”قند“ میں شائع ہوتے رہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے 2000ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات پر مقالہ لکھ کر ڈگری حاصل کی اور اپنے اس مقالے کو بطور کتاب چھپوایا۔ اپنے ایک انٹرویو میں، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے راقم کو اپنے مقالے کے بارے میں بتایا ہے:

”ایم فل کامبر مقالہ پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات کے عنوان سے ہے اقبال ایک نظریے کا نام ہے مشرق اور مغرب سے بے نیاز رنگ و نسل اور زبان سے ماں اور اقبال کے فن اور فکر کو جو دنیا میں اہمیت ملی ہے بالخصوص مشرق میں وہ دھنیں گے کسی اور کونے میں کسی اور خطے میں نہیں ملی“۔ (10)

”قدیم زبان بولی جانے والی زبان ہے بلوچستان میں پشتو کے علاوہ افغانستان بھی بولی جاتی ہیں اور جو گرانی لحاظ سے افغانستان میں رہتا ہو کوہیت یا خواب بلوچستان میں رہتا ہو یا کراچی کے دنیا کے کسی بھی کونے میں اس نے اقبال کے فن و فکر پر منہ بے شمار مقالات تحریر کیے ہیں اور بہت سی کتب بھی تصنیف کی گئی ہیں پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات پشتو شاعرانہ میں جو اقبال کے اشعار قبول کیے گئے ہیں اس پر میں نے یہ مقالہ لکھا ہے اور اسی زمانے میں میں نے جمع بھی کروایا ہے۔“ (11)

ڈاکٹر عبدالرؤف نے اس مقالے کو تقریباً چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ مقالے کی ابتدا میں انہوں نے اس کا تعارف، مقصد اور اس کی تحقیق کی ضرورت و اہمیت کا احاطہ کیا ہے۔ باب اول دوم سوم چہارم اور پنجم میں انہوں نے اقبال کے پشتو شاعری کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے مختلف کتابیات کی فہرست کو بھی شامل کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے پہلے باب میں پشتو شاعری کو پیش کیا ہے اور عالمی سطح پر شائع ہونے والے کتابوں کی حدود کو مقرر کیا ہے پشتو شاعری کے تعارف سے پہلے ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی پشتو زبان کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ اور اس کے بعد پشتو شاعری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ان ادوار کا جائزہ لینے سے پہلے انہوں نے یہ بات واضح کی ہے کہ پشتو شاعری دو طرح کی ہوتی ہے ایک عوامی شاعری اور دوسری کتابی شاعری۔

عوامی شاعری میں نپاکا کڑی یا رنگائی وغیرہ شامل ہیں جبکہ دوسری کتاب بھی شکل کی شاعری میں تاریخ کو اہمیت کا حامل بنایا ہے ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی پشتو شاعری کی تصنیف پناخزانہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”اس سلسلے میں بے شمار محققین کی مسز اور ماخذ کتاب پناخزانہ جو کہ 1324ء میں شائع ہوئی اس کتاب کی صحت کے بارے میں بعض محققین کی اختلاف رائے کے حوالے سے وضاحت یہ ہے کہ اس کتاب کا کلمی نسخہ علامہ عبدالحی حبیبی کو کونڈ میں عبدالعلی کے توسط سے ملا اس نسخہ کو مشہور پشتون خطاطی نے تحریر کیا یہ نسخہ اب بھی قابل میں موجود ہے اس کتاب کے حوالے سے پشتو کا قدیم ترین شاعر امیر کروڑ سوری ہے۔“ (12)

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مطابق 149 سے ایک ہزار ہجری تک مشتمل ہے۔ جن میں تقریباً 27 شعر شامل ہیں اور دوسرا ادوار گ سے 1300 تک پر مشتمل ہے اور اس دور میں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی کے مطابق 32 شعر شامل ہیں۔

آخری دور میں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے دور جدید کا نام دیا ہے اور اس دور میں تقریباً 31 شعراء درج کیے گئے ہیں:

”پشتو شاعری کے آغاز سے متعلق محققین کی مختلف پارہ ہیں جن میں بعض پشتو شاعری کا آغاز ویدوسے کرتے ہیں اور بعض تو پشتوٹپے کو وید بنا کر ثابت کرتے ہیں۔“ (13)

اس کے علاوہ دستاویزی تاریخ پر مطبوع کی شکل میں قدیم نسخہ تیار کیا گیا۔ امیر فولاد سوری کے بیٹے امیر کروڑ پہلوان نے 756ء میں یہ نظم تحریر کی۔ پشتو شاعری کے پہلے دور میں ایک ہزار تک اس کی حمد و ثناء منت منقبت قدسانہ اور عشق کی شاعری کے علاوہ بزم کو پیش کیا گیا جب کہ دوسرے ادوار میں اوصاف اور بے شمار موضوعات کے حالات و واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پشتو شاعری کو فروغ دینے کے لیے کئی نامور ہستیاں نے اس ادوار میں حصہ لیا اس کے علاوہ جرمنی انگلستان فرانس ناروے کے بعد مستشرقین نے بھی تحقیقات کا ذخیرہ محفوظ کیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف کے مطابق بلوچستان سے ربی اواز صاحبزادہ حمید اللہ قلندر عبدالالی عبدالحق درویش اور ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی خود بھی شامل تھے اور ان کی انتہک کوششیں بھی شامل تھیں جبکہ پے پے اور سے پیر زادہ سید عبداللہ شاہ مولوی امیر احمد شاہ میاں محمد یوسف میاں حبیب گل قاضی رحیم اللہ سید راحت اللہ میاں ازاد گل حافظ محمد ادریس جیسے شعراء شامل ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے نہ صرف مردوں کا ذکر کیا ہے بلکہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ خواتین کی شاعری کو بھی فراموش قرار نہیں دیا ہے اور ان میں زیتون بانو، کبری، شاپین، پروین، ملال اور کریمہ رسول وغیرہ شامل ہیں۔

اس خوبصورت سفر کے دوران، پشتو شاعری میں آزاد نظم بھی لکھی گئی۔ پشتو شاعری عالمی تاریخ کی سب سے بڑی شاعری کہلاتی ہے، جو کہ شاعری کے تجربات سے حاصل کی گئی۔ اس طرح بین الاقوامی سطح پر پشتو زبان ایک مشرقی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ کئی عالمی نشریات نے میڈیا میں پشتو زبان پر خاص توجہ دی۔ اس وقت جرمنی، امریکہ، چین، ایران، ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ازبکستان وغیرہ ممالک شامل تھے۔ پشتو زبان کے مختلف پروگرام ریڈیو کے ذریعے، بالخصوص ٹیلی ویژن کے مختلف چینلز پر نشر کیے جانے لگے، جن میں کبھی کبھی پشتو شاعری سے متعلق خصوصی پروگرام بھی شامل تھے۔ یوں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے مقالہ کے پہلے باب میں پشتو زبان کی تاریخ اور نوعیت پر بے شمار بحث کی ہے اور ان کے افکار و نظریات کو پیش کیا ہے۔

مقالے کا دوسرا باب اقبال کی شاعری پر مشتمل ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اقبال کی عالمگیر شاعری کا تعارف پیش کیا ہے۔ اقبال کی شاعری، اقبال کی شاعرانہ عظمت، اقبال کی شاعری کی فنی حیثیت، منظر کشی، طرز کلام، غزل، رباعیات، مثنوی، اور اقبال کے شاعرانہ موضوعات کو ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اس باب میں منظر عام پر لایا ہے۔

اقبال شعر و سخن پر اس آب و تاب سے جلوہ گر ہوئے کہ جن کی پاشیوں سے اہل مشرق بالخصوص اور اہل مغرب بالعموم متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مطابق، حضرت علامہ محمد اقبال نے پہلے خود شعر و شاعری کی اور اس کے بعد ملت کو اس سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، اقبال شاعر کے مطابق لکھتے ہیں:

”ملت اسلامیہ نے اقبال کے لیے کئی القابات اور خطبات چویز کے ہیں کوئی انہیں حکیم میں ملت کہتا ہے اور کوئی ترجمان حقیقت کوئی انہیں شاعر اسلام کہتا ہے اور کوئی شاعر مشرق یہ القابات درست ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی صفات موجود ہیں آپ کو پیامبر خودی بھی اور مبلغ ارتقاء بھی کہا جاتا علامہ اقبال کی شاعری ان کے افکار اور جذبات پر طاری ہوتی ہے وہ نہ صرف ملت اسلامیہ بلکہ تمام دنیا کے لیے بہترین اہمیت رکھتی ہے۔“ (14)

اقبال نے شاعری کو رمز و فکر سے آشنا کیا ہے جب شاعری ذوق آگاہی سے نا آشنا تھی تو اقبال نے اس کو ملت اسلامیہ سے متعارف کروایا۔ صوفی غلام مصطفی تبسم اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں:

”زندگی ہی افضل شے ہے وہ اپنی جستجو حقیقی کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ وہ نصب العین کے حصول کے لیے ہمیشہ سرگرم رہتا ہے ان کے نزدیک باطنی کشمکش حیات رہتی ہے۔ وہ نہ صرف خود زندہ رہتا ہے بلکہ اپنے نوجوانوں کو بھی بیدار رکھتا ہے۔ مردہ قوم میں روح حیات پھونکنے کے لیے دم عیسیٰ کی ضرورت ہے بلند ہمتی اور استقلال کی ضرورت ہے۔“ (15)

ڈاکٹر عبدالراف رفیقی کی اقبال کے شاعرانہ عظمت کے متعلق لکھتے ہیں۔

”حضرت علامہ کی شاعرانہ عظمت روز روشن کی طرح ظاہر ہے بلکہ بیسویں صدی کے روزگار فرزند عظمت سخن کو اس طرح پاک کیا کہ شعر کو سرور موسیقی کے علاوہ افکار پکائے دوام سے آشنا کر کے شاعرانہ مسلک پیغمبرانہ قرار دیا۔“ (16)

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اقبال کی شاعرانہ عظمت کو پروفیسر ار اے نکلسن کی اس رائے پر اختتام پذیر کیا۔

”وہ شاعر کم عیار نہیں جہاں منطق ناکام ہوتی ہیں وہاں اس کی شاعری ذہن کو جلا بخشتی ہے اور قائل کرتی ہیں۔ اس کا شاعرانہ پیغام مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ عالم اسلام کے لیے ہوتا ہے اور وہ فارسی کا انتخاب اپنے خوشگوار طریقے سے کرتا ہے اس کی فلسفیانہ خیالت دل کش اور حسین ہوتے ہیں اقبال ایک پیغمبر کے روپ میں آتا ہے اور اپنے زمانے کے ساتھ ساتھ انے والی نسلوں کو بھی بیدار کرتا ہے۔“ (17)

اقبال کی شاعری ہمہ گیر اوصاف کی حامل ہے اور شاعرانہ ریاضت سے بھرپور حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف کے طرز ادبی اور فنی حیثیت کے مطابق لکھتے ہیں:

”اقبال کی شاعری آزادی، مستی، اور اس کے کلام کا وجد ہے، جو شخصیت کا اظہار کرتی ہے۔ جس سے بڑھ کر پسندیدگی کا کوئی دوسرا لفظ نہیں۔ روحانیت اور رمزیت کی روح اس کا ایک لفظ ’قلندر‘ میں بھی گئی ہے۔“ ڈاکٹر کے مطابق، اقبال اپنی قلندری شاعری سے بھی زیادہ اہم سمجھے جاتے ہیں۔

اقبال کو منظر کشی میں بھی کمال حاصل ہے۔ وہ لفظوں کی تقسیم سے فطرت کی تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی نظم ”کشمیر“ میں سحر نگاری سے ایسا سا باندھا ہے کہ حقیقت آنکھوں کے سامنے بھر جاتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی محترم ڈاکٹر یوسف حسین خان کا حوالہ دیتے ہیں کہ انہوں نے اقبال کی شاعری سے ان تراکیب کو چن چن کر 108 ٹکڑوں کو یکجا کر کے پیش کر دیا اور ساتھ ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اقبال کے نزدیک آرٹسٹ کا مقصد زندگی کی خدمت ہے۔ اقبال نے شاعری کے ذریعے زندگی کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اپنے کلام میں زندگی کی تراکیب کو استعمال کیا ہے۔

ان کی مثال اردو اور فارسی کے شعر اجمعی ملتی ہے۔ اسی طرح آگے چل کر، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی اقبال کی تشبیہات اور استعارات کی وضاحت کرتے ہیں۔
حضرت علامہ نے فارسی اور اردو میں دودو شعر کے قطعات اور رباعیات لکھی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی لکھتے ہیں:

”فارسی میں ابتدا پیغام مشرق سے کی اور اختتام ار مغان حجاز میں ان میں بھی شاعر کے خیالات کے تنوں اور وسط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ پروانہ کی طرح دوسرے کی آگ میں جلنا مردان کی نہیں خود اپنی آگ میں جلنا چاہیے تاکہ خود ہی کا چراغ زیادہ روشن ہو جائے۔“ (18)

علامہ اقبال نے فارسی سے زیادہ اردو میں نظمیں لکھی ہیں۔ فارسی شاعری کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے، لیکن اردو میں قومی اور وطنی محبت کے شاندار نظمیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ، ان منظومات پر حضرت علامہ کا مقصود فلسفیانہ رنگ ہی غالب نظر آتا ہے۔
اقبال نے بہت کم ایسی نظمیں لکھی ہیں جو روزمرہ اردو کے عین مطابق ہوں اور فارسی تراکیب سے پاک ہوں۔ لیکن جب وہ سیل نگاری پر اترتے ہیں، تو سلاست بیان اور روانی حالات میں ان کی نظیر ملنا مشکل ہو جاتی ہے۔

غزل، نظم، قصیدہ، رباعی، اور کتاب وغیرہ کے ساتھ ساتھ، علامہ اقبال نے مثنوی میں بھی زبردست آزمائش کی ہے۔ فارسی زبان میں سب سے پہلے دو مثنویاں ”اسرار خودی“ اور ”موزبے خودی“ لکھیں۔ اس کے بعد ”گلشن راز جدید“، ”جاوید نامہ“، ”مسافر“، اور ”پیغام مشرق“ لکھیں۔ ان مثنویوں کی دو حیثیتوں سے بہت اہمیت حاصل ہے: ایک تو یہ کہ سارے ”اسرار خودی“ اور ”موزبے خودی“ میں ان کے فلسفیانہ عقائد سادہ طور پر ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ، ان کی ایک حیثیت مجدد، مصلح اور مبلغ کی بھی ہے۔ جہاں تک ان کی تعلیمات اور تبلیغی مسائل کی بات ہے، وہ انہوں نے اپنی نظم اور غزلوں میں بیان کیے ہیں۔ خالص قدیم فارسی میں صوفیانہ، مصلحانہ، اور اخلاقی مسائل کے لیے ایک موضوع صنف خیال کی گئی ہے۔
یہ فکر بھی تھی کہ اقبال نے مشرقی شاعری کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند میں اردو فارسی شاعری کو بدل ڈالا۔

”ہر نوع انسانی کارکردگی کا آخری مقصد ہے۔ زندگی پر شکوہ پر قوت اور پر جوش زندگی لہذا اتمام انسانی فنون کو اسی آخری مقصد کے تابع ہونا چاہیے اور ان سب کی پرکھ کے معیار کا انحصار بھی ان میں حیات بخشی کے صلاحیت اعلیٰ ترین فن وہ ہے جو ہماری خفیہ قوتیں بیدار کر کے ہماری صلاحیتوں کو ابھارے ہر وہ چیز جو ہم میں غفلت پیدا کرتی ہے وہ ہمیں قوت کا پیغام سکھائے کیونکہ انہی پر قابو پانے میں تو زندگی کی بقا ہے ادب کا تصور اور زوال کی ایجاد انہی کے زیر اثر ہم زندگی اور موت سے محروم ہو جاتے ہیں۔“ (19)

لہذا اقبال نے شاعری سے وہ کام لیا ہے جو امتوں کی خفیہ قوتوں کو بیدار کر کے ان میں زندگی کی حقیقتوں کو بہترین صلاحیتوں سے ابھارا ہے۔
علامہ محمد اقبال جو صرف الفاظ کو ترتیب دیتے تھے بلکہ اقبال تو الفاظ کو غلام بنا کر انہیں زندگی کے اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کے خیال میں حقیقی شاعر وہ ہے جو مت کو بیدار کر کے معاشرہ بہتر بنا سکے اور زندگی کو بسر کرنے کا طریقہ بتا سکے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مطابق اقبال کی شاعری کے اوصاف میں اقبال کی افاقیت بھی اعلیٰ ترین صفت ہیں وہ خود کو رنگ و نسل سے ازاں کرتے ہیں وہ مشرق اور مغرب کے امتیازات سے بالاتر ہو کر تمام دنیا کے انقلاب کے بارے میں سوچتے ہیں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی افاقیت پر مغربی مفکرین کے اثر کے متعلق لکھتے ہیں۔

”اقبال کی فکری وسعت اور آفاقیت کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مسلم اور غیر مسلم مفکرین سے مستفید ہوتے رہیں مشرق سے طلوع ہونے والا یہ آفتاب مغرب کے اوقات شب و روز سے خوب اشنا ہے۔“ (20)

اقبال کے آفاق کا بنیادی تصور اسلام کی تصویر رہا ہے، جن کی بدولت حقائق کو تہہ تک پہنچانے کا اقبال نے بیڑا اٹھایا ہے۔ اقبال کی ملت اسلامیہ کے تصور سے انسان کی افاقیت کا اندازہ آسانی سے لگا سکتے ہیں کہ وہ ملت کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں۔

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تو رانی ہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (21)

جس طرح اقبال جلال الدین رومی کو روحانی مرشد تسلیم کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جلال الدین افغانی کو وہ اپنا سیاسی مرشد بھی کہتے ہیں جلال اور جمال جب اکٹھے ہوئے تو اقبال کی صورت میں ظہور ہوا افغانستان اور شام کے مسلمانوں کے لیے وحدت کا ذریعہ پیش ہوا۔ باب سوم میں ڈاکٹر عبدالرؤف نے پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات کو زیر بحث کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مقالے کا عنوان بھی یہی ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر رفیقی نے کلیات اقبال کی مدد سے مختلف موضوعات پر اشعار کو چنا ہے۔ تیسرے باب کی تحقیق کے دوران میں اقبالیات کے اشاریہ کے مدثر الگ الگ موضوعات کو چنا گیا متعلقہ موضوعات پر پشتون شہدائے کلام کو اکٹھا کیا گیا اور پھر ان اشعار کو موضوع وار ترتیب دے کر سامنے لایا گیا۔

”اس باب میں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے علامہ محمد اقبال کے حوالے سے جن موضوعات کو پیش نظر رکھا ہے ان میں توحید و رسالت قرآن و سنت اسلام اور انسانیت ازادی اتحاد امید انقلاب خود ہی اور بے خودی بیداری تاریخ و تعلیم تقدیر جمہوریت جہاد حیات بعد الموت ابلیس بے حمدی فلسفہ غلام اور غلامی ملت جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔“ (22)

توحید ہر مسلمان کا بنیادی حق اور عقیدہ ہے اس لام کے دیگر تمام فرائض اور نوافل میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے توحید اسلام کی بڑ ہے۔ ”توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اپ اپنے خالق اور مالک کو ذات و صفات کیلئے اور بے مثال سمجھیں ذات میں بے مثال اس طرح کے نہ تو ازل سے اس جیسا کوئی اور خدا ہے اور نہ وہ کسی کا رشتہ دار بیٹا بیٹی، سورۃ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔“ (23)

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مطابق اس کی اہمیت کی بنیاد اقبال نے اپنے کلام میں درس و تہدیر پر انتہائی زور دیا ہے اور اپنے کلام میں گاہ گاہ وہ توحید الہی کا ذکر کرتے ہیں۔

خودی کا سر نہالا الہ الا اللہ

خودی ہے تیغ فساں لاله الا اللہ توحید (24)

حضرت علامہ محمد اقبال کی شاعری میں رسالت ایک اہمیت کا حامل ہے۔ جتنی رسالت کو شاعر اسلام میں حاضر ہے توحید کے بعد رسالہ تھی ایمان کے لیے بہترین شرط ہے اقبال ارکان اسلام ملت اسلامیہ کے سلسلے میں رسالت کو دوسرا رکن قرار دیتے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے کوئی بھی انسان ان کے عشق کے بغیر مکمل نہیں ہے اور نہ ہی رضا الہی کی تحصیل کے۔ پشتو شاعری پر رسالت کے حوالے سے علامہ اقبال کے اثرات کے متعلق ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی لکھتے ہیں:

”جب ہم پشتو شاعری پر رسالت کے حوالے سے اقبال کے اثرات کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے کلام میں جب کبھی رسالت یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا تذکرہ ہوتا ہے تو اقبال اپنے نعتیہ کلام کو بھی ایک نئی تصویر دیتے ہیں رسالت بھی قوموں اور ملت اور کائنات کی تذکیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔“ (25)

قرآن کریم کی اہمیت، ضرورت، شان و شوکت مسلمانوں کے لیے بے مثال ہے، کیونکہ قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ پیغام الہی، یعنی کامل اور ابدی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اقبال سچے مسلمان اور عاشق قرآن تھے۔ جہلا وہ پروردگار کی آخری کتاب کی اہمیت سے غافل کیسے ہو سکتے تھے؟ ان کے گہرے اثرات مرتب ہو چکے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے اثرات کا اتنا غلبہ ہے کہ بعض مقامات پر تو قرآنی اشعار بھی فرمائے گئے ہیں۔ قرآن کا موضوع انسان ہے، اور اقبال نے اس اہم فریضے کو احسن طریقے سے انجام دیا ہے۔ انسان کو پیغام الہی سے روشناس کرایا گیا۔ علامہ اقبال نے انسان کے لیے آخری پیغام کی حیثیت سے قرآنی امور، احکامات، اور ارشادات پر عمل کرنا ناگزیر سمجھایا ہے۔ پشتون اقبال، سید رسول کے کلام پر اقبال کے اثرات کے متعلق ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی لکھتے ہیں:

”مشہور پشتون اقبال شناس سید رسول نے افکار اقبال کا عمیق مطالعہ کیا تھا کلام اقبال کے گہرے اثرات ان کے کلام پر مرتب ہوئے پشتون زبان نے کلام اقبال جیسا شاہکار کا مجموعہ قرآن پیغام ہے جو 473 بند پر مشتمل ہے۔“

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی اقبال کو اسلام اور ملت اسلامیہ سے بہت گہری دلچسپی اور وابستگی ہے۔ اس کے دیے ہوئے دستور کے مطابق، سیاسی مسائل اور معاشرتی انتشار کو وہ ایک حد تک حل سمجھتے ہیں۔ سیاسی شعور کی بنیاد پر، وہ ہر لادینی خواہش، خواہ وہ شرق میں ہو یا غرب میں، اس کا خیال کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ اور غیر سرمایہ دارانہ نظام میں جمہوریت، اشتراکیت، بیزار، اور مابوسی کی بنیاد یہی سمجھی جاتی ہے کہ جسم کی بھوک اور پیاس محض خورد و نوش نہیں ہے، بلکہ اصل روح کو بھی سکون

دینا ہے۔ اقبال عقیدہ ناس امر کے قائل ہیں کہ ایسا پیغام زندگی، یعنی سیاسی نظام، جس میں دین و دنیا، جسم و روح دونوں کی بقا اور بڑھوتری کی ایک جیسی بات کی گئی ہو، بنی نوع انسان کی طمانیت دل اور آسودگی ذہن کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نقطہ نظر ہر چند کہ اقبال کے ذاتی میلان اور وجدان سے ہم آہنگ ہے۔ اقبال دلِ مسلم کے زندہ تمنا کی دعا کرتے ہیں اور تماشہ ذوق و تقاضوں کو مہتر پانے والے کیفیت کو بیان کرتے ہیں۔

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

اقبال کی فکری وسعت کی اساس دین الہی ہے جو کہ انسانیت کی بقا کے لیے بہت ضروری ہے اس کا بہترین نقطہ نظر ایک عالم اور فاضل پکپا مسلمان ہونا ہے چنانچہ اسلام ہی نے انسان کو فضیلت بخشی ہے اور اس کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے۔ کلام الہی اور قرآن کا موضوع بھی انسان ہے حضرت علامہ محمد اقبال نے انسان کو انسانیت کا درس دیا اور اپنے شہر آفاق فلسفہ سے روشناس کروایا اور اس کے مطابق قرآن کے حوالے سے بہت سارے فرمودات کو بھی اپنی شاعری میں پیش کیا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال اپنے آپ حالت بدلنے کا
ڈاکٹر عبدالراف رفیق کی مذکورہ شعر کے متعلق لکھتے ہیں کہ

”اس شیر کو اقبال نے مختلف ترجمے سے پیش کیا ہے رسا صاحب کلام میں اقبال کے پشتون شعراء اور مفسرہ چکے ہیں۔“ (26)

علامہ اقبال کے کلام کا بیشتر حصہ مفہوم عظمت، حریت، اور مفادات کی وضاحتوں کا بہترین عنصر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو پہلے دن سے ہی جو عقائد اور ضوابط بتائے گئے ہیں، ان پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔ ان چیزوں کے بغیر انسان کی تکمیل مکمل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ان کو آزادی نصیب ہو سکتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فرد واحد کا وجود ایک اعتباری شے سے اتحاد پر اکتفا کرتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی اقبال کی وحدت خیال اور مقاصد کے بارے میں ربط ملت اور اتحاد کے حوالے سے بے شمار چیزیں بیان کرتے ہیں۔

حکیم الامت نے نہایت دقیق انداز سے مسلمانوں کے طرز معاشرت کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے عروج اور زوال کا جائزہ لیا گیا ہے، اور نظام تعلیم کو ہی بے شمار عوامل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اقبال نے اپنی بصیرت سے جدید نظام کا جائزہ لیا، اور انہیں بہت ساری کمزوریاں نظر آئیں۔ جس پر انہوں نے تنقید کا نشانہ بنایا، اور ماہرین تعلیم، مدرسین، اور طلبہ کو پیش نظر کیا۔ جہاں زندگی کے چہرے پر محبت کا جوش و خروش نہ حکمت عملی، نہ بصیرت، نہ فکر و نظر ہے۔ وہ مدرسہ خانقاہوں کے لیے بہترین حکمت عملی ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے علامہ اقبال کے مختلف موضوعات کو پیش کر کے ان موضوعات کا پشتو شاعری پر گہرے اثرات کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

”پشتو میں جا بجا اقبال سے ماخوذ شاعری بھی ملتی ہے، جن میں بعض شعرا نے صرف فنی مہارات پر اکتفا کیا بعض شورہ نے موضوعات کے اثرات کو اخذ کیا جبکہ بعض نے صرف ماخوذ لکھے جبکہ بعض اوقات پشتو میں بھی ایسی شاعری کی گئی ہے جو فنی اسلوبی اعتبار سے اقبال سے ماخوذ ہے۔ عبداللہ جان اسیر نے مختلف مقامات پر اقبال سے مخصوص کیا ہے۔ اسلوبیاتی اور موضوعاتی اخذ کرنے والے شعر میں عبداللہ جان امیر الحسن غازی سید ایم مرتا نصر اللہ حافظ سید بشر بیگم گل رحم جو ہر خیر الحق، گوہر کا کاخیل، سید رسول رسا اور حمزہ شنواری شامل ہیں۔“ (27)

ان شعر کی تفصیل بھی ڈاکٹر عبدالرؤف نے شامل کی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کے مطابق پشتو میں نام اقبال کے اثرات مرتب ہوئے ہیں اقبال سے پہلے پشتونام کا کوئی شاعر بھی نہیں تھا البتہ اقبال شاہ کے نام سے ایک عوامی شاعر سے متعارف ہوا جو افغانستان کا رہنے والا تھا علامہ محمد اقبال کی آمد کے بعد یا تو کسی کا نام بنایا تخلص ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے دستیاب مواد کی روشنی میں ان پشتو شعرا کو درج ذیل طریقے سے تقسیم کیا گیا ہے جنہوں نے اقبال کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنالیا۔

ڈاکٹر اقبال نسیم خٹک استاد پشاور یونیورسٹی

اقبال حسین افکار مردان

محمد اقبال ناشاد مروت

اقبال وہی بنو

جاوید اقبال افکار خٹک انک

محمد اقبال شاہین مالاکنڈا بجنسی

محمد اقبال شاکر صوبہ سرحد

محمد اقبال اقبال مالہ کنڈا بجنسی

محمد اقبال اقبال سوات (28)

باب چہارم میں پشتو شاعری میں اقبال کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے اور مختلف پشتو شعرا نے عظمت اقبال کے اعتراف میں کئی تحقیقات کی ہیں جو مستقل اور غیر مستقل طور پر شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالروف رفیق نے اس باب کو شروع میں غیر مستقل اور جبکہ آخر میں مستقل موضوعات کو پیش کیا ہے مفلسی کے اعتبار سے علامہ محمد اقبال نے اپنی شاعری کو اس طرح بیان کیا ہے کہ نہ غالب ہوں نہ اقبال ہوں نہ رحمان ہوں نہ خوشحال ہوں نہ حمزہ ہوں نہ سمندر ہوں میں مفلس بھی کوئی شاعر ہوں۔
ڈاکٹر عبدالروف رفیق نے اس بات میں جن شعرا کو شامل کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

امیر حمزہ شنواری

سید رسول رسا

اے مرتاض

داور خان داور

علی محمد

پروفیسر رحمت اللہ درد

رحیم شاہ رحیم

سراج الاسلام سراج

سید ضیاء الدین

شیر علی خان

محمد اسلام ارمانی

صادق اللہ خان

گل باچا الفت

عبدالباری اسیر

عبدالروف خان رفیق

عبدالستار عارف خٹک

عبداللہ جان اسیر

عبید اللہ

عرب خان عرب

فضل الرحمن صابر

پروفیسر فضل کریم ناشاد

قمر راہی

قیام الدین خادم

پروفیسر محمد قاسم محمود

محمد نواز طاہر

مہابت خان

ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے پانچویں باب میں اقبال سے متاثر پشتون شعر کا ذکر کیا ہے۔ ان شعر اکو ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جن میں عبد الجبار، ہلال احمد صمیم، اسرار الرحمن، امیر حمزہ شنواری، خان محمد حاصل، راحت ذخیلی، سراج الاسلام، سراج سید بشر، بیگم سید رسول، رسا سلطان محمد صابر، سمندر خان سمندر، شیر علی خان، پروفیسر عابد شاہ عابد، عبد الرؤف رفیقی، عبد الغنی شہاب، ملا عبد السلام، عبد الصمد، عبد اللہ اکبر خان، عبد اللہ جان اسیر، فضل احمد گر، فضل حق شیدہ، فضل رحیم ساقی، قلندر قیام الدین خادم، کرامت شاہ فولاد، گل باجا الفت محمد، سعد رہبہ، محمد موسیٰ شفیق، امیر رحمان غازی، اور نقیب احمد فطرت کو ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے اقبال سے متاثر کن شخصیات قرار دیا ہے اور ان کے حوالے سے بہت ساری خدمات پیش کی ہیں۔

ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے اس تحقیقی مقالے کے اختتام میں دیگر زبانوں کے اہل فکر و دانش کو توجہ کامرکز بنایا ہے۔ اس طرح علامہ محمد اقبال کی عالمگیریت کو ظاہر کیا ہے۔

اس کے بعد اقبال کی شاعرانہ عظمت اور ان کی فنی ماہیت، منظر کشی، اور غزل گوئی کے تحقیقات و موضوعات کو منظر عام پر لایا ہے۔

باب سوم میں ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے پشوتو شاعری پر اقبال کے اثرات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے بعد باب چہارم میں پشوتو اقبال کو منظور خرج تحسین پیش کرنے والے شعر اکو الف بانی ترتیب کے لحاظ سے ذکر کیا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ ان کا اردو ترجمہ کر کے اس تحقیقی کام کو پیش خدمت کیا گیا ہے۔ آخری باب میں ان پشوتو شعر اکو ذکر کیا گیا ہے جو کتابیات کی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس میں ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے پشوتو، فارسی، اور اردو کتب کی الگ الگ فہرست تیار کی ہے۔

اسلم شاہ پشاور کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ ہندی موسیقی کے راگوں سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی کے مطابق، اسلم شاہ کے جشن نوروزی میں نمونہ موجود تھا۔ البتہ پوری سوانح تحریک تحقیق میں نہ تو فرحان زبان و ادبیات پشوتو کامیاب ہوئے اور نہ ہی ادبی کے مولف ہیں۔ تخلص خان جی، ولد جیم خان ولد ہاشم خان مردان کے طور کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ آپ نے دین اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا غلام رسول مہر نے تاریخ مجاہدین اور اللہ پاک یوسفی نے تاریخ یوسف سے لکھنے کے دوران ان سے براہ راست استفادہ کیا۔ 1924ء میں سرحد میں ان کا کلام محظوم کے تخلص سے شائع ہوا۔ تاج الملوک خان رحمان بابا کے مکتبہ فکر کے ایک مشہور شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں روحانی و تصوف اور افکار کی کثرت پائی جاتی ہے۔ 1971ء میں ان کا کلام ”کلیات دل سے“ کے نام سے مشہور ہوا۔

حبیب اللہ احمد شاہ بابا کے دور کے شاعر تھے۔ ان کے دیوان کا قلمی نسخہ دہلی میوزیم میں محفوظ ہے۔ انہوں نے احمد شاہ ابدالی کے مشہور جرنیل کی مدح میں بھی تصنیف لکھی۔ وہ پشوتو، فارسی، اور اردو تینوں زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے ان زبانوں میں مشترکہ غزلیات بھی لکھیں، جن کو ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی کے تحقیق کے ساتھ 1360 ہجری میں افغانستان کے اکادمی لاہور قابل پشوتو کی جانب سے شائع ہوا۔ اس میں ایک فارسی غزل اور دو محسن شامل ہیں۔ ڈاکٹر حبیب اللہ کے دو غزلیات کو بطور نمونہ اپنی کتاب میں شامل بھی کیا ہے۔

حکیم محمد عیسیٰ کریم محمد عیسیٰ قوم کی زلیلی شاخ شاہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اجداد میں پشین سے قندھار ہجرت کر گئے۔ علمی اور ادبی مقام کا جائزہ ان کے شعری مجموعے میں شامل تھا۔ انہوں نے نوجوانوں میں لکھی فارسی، عربی، اردو، ترکی، انگریزی، سنسکرت، لاطینی، اور سندھی زبان پر مہارت حاصل کی۔ شاہ عالم سے متعلق بھی ابھی تک مکمل طور پر تحقیقات نہیں ہوئیں۔ ان کے حالات زندگی کا زمانہ 1300 ہے۔ انہوں نے پشاور کے نواب کے مشینوں کے بارے میں ان سے متعلق اپنی تصانیف میں بے شمار چیزیں لکھیں۔

رحمان بابا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس عظیم صوفی شاعر کے اشعار سے ہر شخص کسی نہ کسی طور پر استفادہ کرتا ہے۔ رحمان بابا کے والد کا نام عبد الستار تھا، اور وہ پشاور کے بہادر کلی کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم محمد یوسف زئی سے حاصل کی، جس میں فقہ اور تصوف شامل ہے۔ بعد میں تحصیل علم کے لیے کواہٹ چلے گئے۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ترک دنیا گئے اور پھر معرفت الہی میں بے شمار انسان لکھے۔ رحمان بابا ایک عالم ربانی تھے، اور انہوں نے وہ افکار بیان کیے جو فارسی میں حکیم سنائی نے بیان کیے تھے۔ انہوں نے فارسی الفاظ کو الف بانی ترتیب سے مہرانہ انداز میں اپنی شاعری میں استعمال کیا۔ ان کے دیوان میں باقاعدگی سے فارسی نظمیں تو نہیں ملتیں، لیکن پشوتو، فارسی، اور اردو کا ایک مجموعہ ضرور ملتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی نے اپنی کتاب ”شیر و ہنکر“ میں اس کو بیان کیا ہے۔

عبد العظیم بابا سوات کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام عزیز خان اور دادا کا نام نور خان تھا۔ وہ 1187 میں مالاکنڈ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات کا سراغ معلوم نہ ہو سکا، البتہ 1253 تک ان کی زندگی کے لیے یقینی ہے کہ انہوں نے اپنے دیوان کو پایا تکمیل تک پہنچایا۔ خاندانی جگہوں کی وجہ سے والد عزیز خان کے مارے جانے کے بعد والدہ کے ساتھ پشاور آئے۔ یہاں پر حاجی ہیل کے مولوی سرفراز کے گھر میں پرورش پائی۔ مولوی صاحب نے خوب تربیت دی اور شادی اپنی ہی بیٹی سے کروا دی۔ وہ صوفی، جنگجو، اور بہادر تھے۔ سلسلہ چشتیہ اور قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ 1837ء میں سکھوں کے خلاف مسلمانوں کو اکٹھا کر کے ایک ریاست قائم کی۔

عبد القادر خان خٹک پشتو کے وہ بلند پایہ شاعر اور مفکر ہیں جو کہ علمی اور ادبی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ وہ پشتو کے عزیز اور مدیر خوشحال خان خٹک کے ہاں 25 ذی الحجہ کو پیدا ہوئے۔ اب جو خواجہ کام کرتا ہے، خوشحال خان خٹک کے علم کے لگ بھگ مکتبہ کے بیروکاروں میں سے ہیں۔ ان کا دیوان عبد القادر خان خٹک 3500 اشعار پر مشتمل ہے، جن میں ”گلدستہ نصیحت نامہ“، ”چہل حدیث“، ”عبدالملک خان درخانی“، ”یوسف زینا“، ”قصیدہ بردہ کا ترجمہ“، اور ”دیوان عبد القادر“ شامل ہیں۔

کاظم خان شیدا مشہور ادیب فضل خان کے بیٹے، نامور شاعر اشرف خان ہجری کے پوتے، اور مشہور و معروف مدیر و مفکر خوشحال خان خٹک کے پر پوتے تھے۔ خاندانی حالات اور اختلافات کی بنا پر ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد کشمیر چلے گئے۔ وہاں چند سال گزارنے کے بعد سرہند چلے گئے۔ ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی کے مطابق، شیدا کے ہر مصرعے میں کوئی نہ کوئی فارسی اصطلاح موجود ہوتی ہے۔

شیدا کے کلام کے ساتھ ساتھ اگر غیر جانبداری، آزادی، اور عادلانہ انصاف کیا جائے، تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ شیدا کا فکر رسائی عالمی سطح پر ادبی افتخار ایک بہترین شاہکار تھا۔

محمد شریف نام، زنان تخلص مشہور ہوئے۔ 1314ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے بڑے بھائی ملا محمد شفیع سے مزید تعلیم حاصل کی۔ 1313 میں پہلی بار تہار میں ایک سکول کی بنیاد رکھی اور وہاں پر پہلے استاد مقرر ہوئے۔ غازی امان اللہ خان کے دور حکومت میں 1381ء میں ان کی جاری کردہ تذکرہ ہے۔ قومی شناختی کارڈ میں ان کا پیشہ معلم مکتبہ تجارت بنا۔ ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ایک بلند پایہ ادیب، شاعر، مفسر، اور بلیغ خطیب تھے۔ نظم و نثر میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ منظور و منشور افکار و آثار زیادہ تر قدہار کے طلوع افغانستان میں سایہ ہوئے۔

”احسن البیان من تفسیر القرآن“

”زین البیان من تفسیر القرآن“

”تاج شریف حکام“

”بہار جانان“

”اکبر نامہ“

”ارمان جانان“

”عبرت نامہ“

”یادداشت اور سفر نامہ“

ڈاکٹر عبد الرؤف رفیقی کے مطابق مذکورہ کتب میں صرف بہار جانان اور حج شریف احکام زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

محمد یعقوب پشینین ضلع پشین کے گلستان کے قلعہ عبدالرحمان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق سعید ہاشمی حسینی گھرانے سے ہے۔ آپ کے والد کا نام ملک تھا، جو ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے دنیا میں مشہور ہیں۔ تحصیل علم کے لیے قدہار، پشاور، اور دہلی کے سفر کیے۔ بزرگان دین کی خدمت میں کئی ظاہری اور باطنی علوم سے بہرہ ور ہوئے۔ زندگی بسر کی۔ وہ ایک بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ ڈاکٹر نے محمد یعقوب پشینین کے آثار کا ذکر ”شعر و شکر“ میں کیا ہے۔

”مشکات المصابی“

”تفصیل جلالین“

”علم علی السلم ان تمام علی حمد اللہ مجموعہ شروح رسالہ“

”رسالہ میراث“

”جو رسالہ قواعد و فارسی“

فارسی دیوان 130 ہجری میں دہلی میں شائع ہوا، جبکہ دوسری مرتبہ خان محمد خان کے زیر اہتمام 1368 ہجری میں کوئٹہ میں شائع ہوا۔ اس دیوان میں 41 فارسی غزلیں، 10 لاکھ (شاید مراد 10 نظمیں ہو)، اور 15 دیگر مضامین شامل ہیں۔

اردو کے بہترین شاعر ہیں۔ پشتو میں ان کا کلام رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک جیسے شعراء کے معیار تک نہیں پہنچتا، جبکہ فارسی شاعری میں ان کی زبان ہلکی پھلکی معلوم ہوتی ہے۔ اردو میں ان کا کلام ڈکن کے قدیم شاعروں جیسا لگتا ہے۔ ان کی ایک غزل، جو انہوں نے عبدالقادر خان کے جواب میں کہی تھی، سے ان کے انداز فکر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کیونکہ عبدالقادر خان 1062 ہجری میں پیدا ہوئے اور 1114 ہجری تک حیات رہے۔ ان کے والد کا نام عبید اللہ اور دادا کا نام محمود خان تھا، اور وہ پشاور کے رہنے والے تھے۔

معزز اللہ خان کا دیوان 1987ء میں پشاور کے ایڈمن سے شائع ہوا۔ اس کے بعد ان کا پہلا فارسی کلام 1998ء میں لاہور کے ایک علمی سیمینار میں شرکت کے بعد ایران میں علامہ فروغ اور ڈاکٹر معین کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب وہ پشاور کے فیڈرل کالج گئے تو معزز اللہ خان کے فارسی کلام کو دیکھ کر انتہائی حیران ہو گئے۔ میرے خیال میں، وہ خلیل فریدی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور تیرہ کے رہنے والے تھے۔ وہ پشتو کے کلاسیکل شاعر تھے، اور ان کا فارسی و پشتو کلام بھی پیش کیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالروف رفیق کے مطابق، مرزا عبدالرحیم مغل تھے، اور ان کے آباؤ اجداد اور نگزب عالمگیر کے زمانے میں پر دادہ سول کے مشہور گاؤں میں آباد تھے۔ مرزا عبدالرحیم 20 رجب 1300 ہجری میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تحصیل انقلاب ہندوستان کے علاوہ مختلف پشتون علاقوں کا سفر کیا۔ ان کی وفات کے تین سال بعد، ان کے چھوٹے صاحبزادے مرزا شوکت علی نے شعبان 1372 ہجری میں ان کا دیوان مرتب کیا۔ اس کے بعد، پشتو، عربی، اور اردو کے علاوہ ان کا فارسی کلام بھی موجود ہے، جو ان کے فارسی شاعر ہونے کا بہترین ثبوت ہے۔ ان کے کلام میں ”شیر و شکر“ جیسی مشہور غزلیں بھی شامل ہیں۔

نجیب کا ذکر ڈاکٹر عبدالروف رفیق نے شکستہ عوام میں بھی کیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ وہ پشاور کے سر کے رہنے والے تھے اور خلیل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی زندگی 1178 ہجری تک یقینی ہے۔ ان کا دیوان خیال بخاری کی تدوین کے ساتھ پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی سے 1927ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر عبدالروف رفیق کے مطابق، خیال بخاری کی تدوین تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

نور اللہ خان 1924ء میں ماسٹر خان کے گھر پیدا ہوئے۔ وہ کشتوں میں نظم و نثر لکھتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالروف رفیق نے نور اللہ خان سے ملاقات اور مجلس وغیرہ بھی کی۔ چنانچہ، وہ لکھتے ہیں کہ راتوں میں ملازمت کے بعد بڑی مجلسیں ہوتی تھیں، اور آج کل وہ ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔

حضرت علامہ اقبال افغانستان پر اپنی بھرپور ضیاء شیبوں کے ساتھ اس طرح جلوہ افروز ہوئے کہ جس نے غلام ہندوستان کے باشندوں کو بالخصوص، اور دنیا بھر کی مسلم امت کو نجات اور استقلال کی نوید سنائی۔ اپنے گرانقدر اور امید افزا افکار سے گنجینہ ہائے دانش کو جلا بخشی۔ شرک کو احساس تشخص دکھا کر اسے تقابل عمل میں آگے لانے کی کوشش کی۔ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے نہ صرف شاعری کو وسیلے کے طور پر استعمال کیا، بلکہ نثر میں بھی اپنے افکار کو پائیداری بخشی۔

افکار اقبال کا ارتقائی عمل محدود ہندوستانی قومیت سے ہوتے ہوئے لامحدود فلسفہ اسلامی پر منتج ہوا۔ جغرافیائی سرحدات سے بے نیاز، رنگ و نسل سے بالاتر، اور زبان و بیان سے مبرا ہو کر، انہوں نے ملت اسلامیہ کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کی۔ تہذیب مغرب سے بیزار ہو کر شرقی عظمت کو برقرار رکھنے کی تبلیغ کی۔ کتاب اللہ اور طریق رسول اللہ کو اپنا کر، انہوں نے ملت کو کائنات کی تسخیر کی راہ دکھائی۔

جہاں بین و جہاں آرا بننے کے لیے مذہب مقدس کے اسرار و رموز سے آگاہی پر زور دیا۔ مرد مومن، مرد خود آگاہ، صاحب جلال و جمال، اور صاحب خودی جیسی اصطلاحات کی وضع کی۔ سب سے بڑھ کر یہ احسان کیا کہ مشرقی شاعری کے مشہور و معروف انداز فکر کو یکسر تبدیل کر کے اسے تصور شب، ناتمام تاریخ، ہجر و فراق، کچے زلف و خزاں، ہمارا خانہ، اور دریوزہ گری ساقی کی محدود سرحدات سے نکال کر شیر مشرق کو پیغمبرانہ مسلک قرار دے کر ایک نئے کتب فکر کی تاسیس کی۔ گویا حضرت جلال الدین رومی کے تصوف اور سید جمال الدین افغانی کے رمز سیاست سے بہرہ مند ہو کر یہ صاحب جلال و کمال اقبال بنا۔

حضرت علامہ اقبال کے افکار کئی زبانوں میں ترجمہ ہوئے۔ دنیا کے مختلف اقوام ان کے ابدائی و افقی نظریات سے روشناس ہوئے۔ دیگر اقوام کی طرح پشتون بھی جنوب مشرقی ایشیا کی ایک خاص اور اہم قوم ہے، اور اقبال کے افکار کا مرکز توجہ بھی بنی رہی۔ اقبال کو پشتونوں سے کئی توقعات بھی تھیں۔ اسی مناسبت سے کئی منظومات میں انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ بالکل اسی انداز میں پشتونوں نے بھی اپنے اس محن و مدی کو چاہا اور ان کے افکار سے مستفید ہوئے۔

پشتو شعراء نے افکارِ اقبال کا اثر قبول کیا۔ پشتون شعراء نے اقبالیات کے پشتو منظوم تراجم کیے اور اقبال کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ علامہ اقبال کی عظیم شاعری کا بنیادی مزاج بھی پشتو شاعری کو متاثر کر گیا۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اس کتاب میں ایسے پشتون شعراء کا تذکرہ کیا ہے، جنہوں نے اقبالیات کے پشتو منظوم تراجم پیش کیے، کلامِ اقبال کو اپنی شاعری میں استعمال کیا، اور اقبال کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی پشتو موضوعات کے متعلق لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے کئی موضوعات پشتو شاعری میں داخل ہوئے۔ ان موضوعات پر تحقیق ضروری تھی، تاکہ اقوامِ عالم کی طرح پشتون قوم جتنا اقبال سے متاثر ہوئی، پشتو شاعری پر اقبال کے جو اثرات مرتب ہوئے، ان کو افشا کرنے سے اقبال کے افادی افکار کی ترویج و اشاعت میں مزید مدد ملے گی۔ بحیثیتِ مجموعی، ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اس کتاب میں پشتو شعراء کے منظوم کلام کو اقبال کی خدمت میں پیش کر کے پشتو شعراء کی طرف سے اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی کتاب "کلیاتِ اقبال: اردو پشتو ترجمہ"، اقبال کے اردو کلیات کا پشتو زبان میں ترجمہ ہے۔ حضرت علامہ کے افکار کئی زبانوں میں ترجمہ ہوئے، اور دنیا کی مختلف اقوام ان کے ادبی و افادی افکار سے روشناس ہوئیں۔ دیگر اقوام کی طرح پشتون قوم بھی مشرقی ایشیا میں ایک خاص مقام رکھتی ہے، اور اقبال کے کئی افکار کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ اقبال کو پشتونوں سے کئی توقعات بھی تھیں۔ اسی مناسبت سے کئی منظومات میں علامہ اقبال نے پشتون قوم کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ پشتو شاعری نے افکارِ اقبال کا اثر قبول کیا، اور پشتون شعراء نے اقبالیات کے پشتو منظوم تراجم بھی کیے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اس کتاب میں اردو کلیات، جن میں "بانگِ درا"، "بالِ جبریل"، "ضربِ کلیم"، اور "ارمغانِ حجاز" شامل ہیں، کا پشتو زبان میں ماہیت و نوعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی اپنے ایک انٹرویو میں تراجم کو اس کتاب کا تعارف پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ "جی بالکل، کلیاتِ اقبال فارسی کے منظوم پشتو ترجمے کی طرح، یہ علامہ کے اردو کلیات کا منظوم پشتو ترجمہ ہے، جو مختلف شعراء نے افغانستان و پاکستان میں کیا تھا۔ ان کو میں نے یکجا کر کے اور ان پر ریسرچ کر کے اقبال اکیڈمی لاہور سے شائع کروایا۔"

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی یہ کتاب 2017ء میں شائع ہوئی، اور اسے اقبال اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔ کتاب درمیانے سائز میں مجلد ہے۔ علامہ اقبال کی تصویر کتاب کی جلد کے درمیان لگائی گئی ہے، جس سے کتاب کی خوبصورتی اور دلکشی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

کتاب کا ابتدائیہ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے پشتو زبان میں کیا، جس میں انہوں نے کتاب کا تعارف اور اس کے مقاصد کو واضح کیا۔ کتاب کے صفحہ 22 تا 23 میں ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے 29 کتابیات اور حوالہ جات کو درج کیا ہے۔ پانچ کتاب میں کلیاتِ اردو کا پشتو زبان میں ترجمہ ہے۔ بانی کتاب میں کلیاتِ اردو کا پشتو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے نمونے کو کلیاتِ اردو کی نظم اور اس کے پشتو زبان میں ترجمہ بھی کیا گیا ہے، اور اسے "ہالیہ" کا نام دیا گیا ہے۔

ضربِ کلیم کا پشتو ترجمہ شاعر محمد نواز نے کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے ریسرچ کے بعد اس کی ماہیت اور اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ضربِ کلیم کے تمام عنوانات کے تحت منظومات کا پشتو ترجمہ کیا۔

ارمغانِ حجاز کا پشتو ترجمہ امیر حمزہ شنواری نے کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے اس ترجمہ پر ریسرچ کر کے اس میں کمی و بیشی اور فٹ نوٹس کے ساتھ ساتھ اس کتاب کو پیش کیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے ارمغانِ حجاز کی 16 نظموں کا منظوم پشتو ترجمہ کیا۔

اور ارمغانِ حجاز کا دوسرا حصہ، جس کا پشتو ترجمہ امیر حمزہ شنواری نے کیا تھا، ڈاکٹر عبدالرؤف نے اس طرز کو ریسرچ کر کے اس میں کمی و بیشی کے فٹ نوٹس کو شامل کیا، اور اس میں طویل نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے چند اشعار کو بھی پیش کیا۔

بحیثیتِ مجموعی، ڈاکٹر عبدالرؤف نے اقبال کے اردو کلیات کو ترجمہ کر کے پشتو زبان میں اکٹھا کر کے کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ یہ کتاب نہ صرف آج کے پشتونوں کے لیے، بلکہ ہر آنے والی نسل کے لیے بھی اہمیت کی حامل ہے۔

موجودہ دور میں علامہ اقبال کے افکار مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ دنیا کے مختلف اقوام اقبال کے ادبی اور افادی افکار سے روشناس ہو رہی ہیں۔ دنیا کی دیگر قوموں کی طرح پشتون قوم بھی مشرقی ایشیا میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے علامہ اقبال کے فارسی کلام، جس میں "اسرارِ خودی"، "رموزِ جہودی"، اور "پیامِ حجاز" شامل ہیں، کو پشتو میں ترجمہ کرتے ہوئے پیش کیا۔ کتاب کے ابتدائیہ میں ڈاکٹر عبدالرؤف نے کتاب کی اہمیت اور مقاصد کو پیش کیا، اور جس پر بے انتہا بحث کی۔ انہوں نے اس کتاب کی تیاری میں جن ماخذ کا ذکر کیا، ان میں 22 حوالہ جات اور 29 کتب شامل ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے ”زبورِ عجم“، جس کے پہلے ”تقویمِ حق“ کا خاکیل نے پشتو زبان میں ترجمہ کیا تھا، اسی ترجمے کو بعض تحریفات اور اضافات کے ساتھ دوبارہ یکجا کر کے ”کلیاتِ اقبال فارسی“ کو پشتو میں پیش کیا۔ ڈاکٹر نے ”زبورِ عجم“ کے 32 غزلیات کا منظوم پشتو ترجمہ بھی کیا۔ پاکستان و افغان سفارت خانے سے منسلک رہے۔ 1949ء میں اہل حرّات کی جانب سے افغانستان کے دورہ ہفتم کے لیے وکیل منتخب ہوئے۔ 1954ء میں کراہے کے دور حکومت میں افغانستان کے سفیر بھی مقرر ہوئے۔ علامہ سلجوتی نے فارسی کے علاوہ عربی اور انگریزی زبانوں سے بھی استفادہ کیا۔ ان کی تالیفات آج بھی دنیا میں مانی جاتی ہیں، جس میں ”تاریخ فتوحاتِ اسلامیہ“، ”مقدمہ علم الاخلاق“ (جلد دوم)، ”تہذیبِ اخلاق“، ”افکارِ شاعر“، ”نگاہِ بابا ہائی“، ”نقدِ بیدل“ وغیرہ شامل ہیں۔

”تاریخ فتوحاتِ اسلامیہ“ میں انہوں نے سید حسن بن سید علامہ سلجوتی کے تمام مطبع سے 450 صفحات میں شائع کیا۔ ”مقدمہ علم الاخلاق“ (جلد اول) میں انہوں نے 42 صفحات پر مشتمل ایک ترجمہ لکھا، جو کہ 1952ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کی جلد دوم میں 352 صفحات شامل ہیں۔ جبیرہ استاد سلجوتی کا یہ عصر کابل کی وزارتِ مطبوعات کے شعبہ نشریات کی جانب سے 324 ہجری میں شائع ہوا۔

یونس کا شمار پشتو کے معتبر شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق خیال قبیلے سے ہے۔ رحمت اللہ تک نے پشاور میں 1140 ہجری میں ان سے ملاقات کی۔ اس وقت یونس کی عمر 21 سال تھی۔ ان کے والد محمد خان کسی وجہ سے خیبر میں رہنے لگے۔ محمد یونس، مہمان بابا کے شاگردوں میں سے ہو گیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے ”شیر و شکر“ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کا دیوان، وزارتِ اطلاعات افغانستان کی جانب سے کابل کے مطبع سے 1325 ہجری میں شائع ہوا۔ ان کے پشتودیوان میں ”دست یاب“ بھی شامل ہے، اور دوسری طرف ”شیر و شکر“ کے نمونے بھی موجود ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرؤف نے ”شیر و شکر“ میں پشتو، فارسی، اور اردو کے کلام میں مطابقت اور اردو زبان کی بنا پر مسلم قوم کو بالخصوص افغان اور پشتون کو جوڑے رکھا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے افغانستان اور پشتو شعراء کے احوال و آثار کو ”شیر و شکر“ میں فارسی پشتون ہونے کے حوالے سے پیش کیا۔ اس کے بعد پشتون کی فہرست، فارسی، اردو، اور اخبارات و مجلات کا حوالہ بھی پیش کیا۔

اس حصہ میں ڈاکٹر کی قیمتی اردو تصانیف کو زیر بحث لایا گیا۔ بحیثیتِ مجموعی، ڈاکٹر عبدالرؤف کی دونوں تصنیفات ”ترتیبِ شکست“ اور ”شیر و شکر“ ایک بلند ادبی مقام رکھتی ہیں۔ ”شیر و شکر“ میں جہاں پر ڈاکٹر عبدالرؤف رفیق نے افغان کے تفصیلی جائزہ لیا ہے، وہاں پر ادب کی وسعت کو اجاگر کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ کمپوزنگ کی کہیں کہیں غلطیاں ضرور موجود ہیں، لیکن مجموعی طور پر تصانیف پر محنت کی گئی ہے۔

بحیثیتِ مجموعی، ڈاکٹر عبدالرؤف کی یہ تحقیق اقبالیات سے ہم سنگ ہونے کی اہمیت کی حامل ہے۔ بالخصوص پشتو شعراء کی اقبالیات خدمات کو اکٹھا کر کے ایک مقالہ کی صورت میں پیش کر کے تحقیقی کاوش کا عمدہ نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

مایہ ناز ماہر اقبالیات اور اردو، پشتو، و فارسی زبان و ادب کے ماہر ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی نے ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان کا عہدہ سنبھال لیا۔ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی اقبالیات کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی، و پشتو ادب کی ریسرچ و تخلیقی موضوعات پر تقریباً 53 کتب اور کئی مقالات پبلش ہو چکے ہیں۔ ”افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت“ اقبال شناسی میں آپ کی ایک معرکہ آرا تصنیف ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی اقبال اکادمی پاکستان آمد پر ایڈمنسٹریٹو اقبال جناب انجم و حید، سربراہ شعبہ ادبیات ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر وحید الزمان طارق، چودھری فہیم ارشد اور محمد اسحاق نے استقبال کیا۔ اس موقع پر ان کو گلہ دستہ بھی پیش کیا گیا۔

سوال: ڈاکٹر صاحب اپنے تحقیقی کام کے حوالے سے کچھ رہنمائی فرمائیں؟

جواب: میرا اپنی ایچ ڈی مقالہ اور اس کے علاوہ دیگر مقالہ جات، پشتو اور افغان شعراء سیر اقبال شناسی در افغانستان کا مقدمہ بھی اردو میں ہے ”شیر و شکر“ کے نام سے ایک مشترکہ پشتو فارسی کتاب ہے۔ جس پر میں نے جس پر تحقیقی کام می راموجود ہے، پشتون کی فارسی شاعری پر میں نے ایک دقیق کام کیا ہے جس میں 430 پشتون انلس شعراء پر میں نے ”شکرستان روہ“ کے نام سے تحقیقی کام کیا ہے اور تحقیق کے میدان میں مزید بھی پیشرفت جاری ہے۔ (29)

نتائج

- افغان شعراء کا تذکرہ: ڈاکٹر رفیقی نے تقریباً 400 سے زائد افغان شعراء کے حالات و کلام کو اردو زبان میں محفوظ کر کے ایک مستند ماخذ فراہم کیا۔

- زبانوں کا تعامل: ان کی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ پشتو، فارسی اور اردو زبانوں میں باہمی ربط اور ادبی اثرات نے تہذیبی ہم آہنگی کو فروغ دیا۔
- اقبالیات سے تعلق: چونکہ ڈاکٹر رفیقی کا پی ایچ ڈی مقالہ بھی اقبالیات اور افغان شناسی پر تھا، اس لیے ان کی تحریروں میں اقبال کے افکار کی جھلک نمایاں ہے۔
- ادبی خدمات کا اعتراف: بلوچستان کی طرف سے انہیں اعزازی ایوارڈ دیا گیا، جو ان کی علمی خدمات کا اعتراف ہے۔
- بین الاقوامی اہمیت: "شیر و شکر" میں انہوں نے تہذیبوں کے درمیان مکالمے اور زبانوں کے ذریعے امن و محبت کا پیغام دیا، جو عالمی سطح پر قابل قدر ہے۔

سفارشات

- مزید تحقیق: افغان شعرا کی خدمات پر مزید تحقیقی کام کیا جائے تاکہ نئی نسل کو ان کے علمی ورثے سے روشناس کرایا جاسکے۔
- زبانوں کی ترویج: اردو، فارسی اور پشتو زبانوں کے باہمی تعلق پر مزید مطالعہ کیا جائے تاکہ تہذیبی ہم آہنگی کو فروغ دیا جاسکے۔
- بین الاقوامی سطح: عالمی اداروں کو چاہیے کہ پشتون اور افغان شعرا کی خدمات کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرائیں۔
- ادبی اداروں کا کردار: جامعات اور تحقیقی ادارے اس موضوع پر سیمینارز اور کانفرنسز منعقد کریں تاکہ علمی مباحث کو فروغ ملے۔
- نئی اشاعتیں: ڈاکٹر رفیقی کی کتابوں کو جدید ایڈیشنز کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جائے تاکہ زیادہ قارئین تک رسائی ممکن ہو۔

حوالہ جات

1. سجادہ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی، 2010ء "شکرستان روہ"، کونسل: وطن پہلی کیشنز، خدائیدار چوک، ص: 1-1۔ تا۔ 1-م
2. ایضاً، ص: 1-ت
3. ایضاً، ص: 1-ص
4. ایضاً، ص: 1-ص
5. راقم کا ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی کی سے انٹرویو، بتاریخ 6 دسمبر 2024ء بمقام اقبال اکیڈمی، لاہور، چارجے۔
6. راقم کا انٹرویو عبدالرؤف رفیقی سے، بتاریخ 24 نومبر 2024ء بمقام HEC اکیڈمی آف انس، اسلام آباد، چارجے۔
7. عبدالرؤف رفیقی، ڈاکٹر، 2017ء "شیر و شکر" کونسل: عبدالصمد خان اچکزائی شہید چیئر یونیورسٹی آف بلوچستان، ص: 11
8. راقم کا ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی سے انٹرویو، مورخہ 6 دسمبر 2024ء، چارجے، بمقام اقبال اکیڈمی لاہور۔
9. عبدالرؤف رفیقی، س 2000ء "پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات"، غیر مطبوع، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1997ء) ص:
- 12، مقالہ ایم فل اقبالیات
10. "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" جلد پنجم (پنجاب: دانش گاہ، طبیح اول، 1971ء) ص: 226
11. عبدالکلیف، خلیفہ، ڈاکٹر، 1961ء "فکر اقبال"، لاہور: ہزم اقبال اکیڈمی، بار دوم، ص: 155
12. محمد عظیم، ملک، 1957ء "عکس اقبال" لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ص: 193
13. عبدالرؤف رفیقی، 2000ء "پشتو شاعری پر اقبال کے اثرات" (غیر مطبوع)، ص: 3، مقالہ ایم فل اقبالیات
14. نقوش نمبر 2، اقبال نمبر (لاہور: ادارہ فروغ اردو، دسمبر 1977ء) ص: 326
15. عبدالرؤف رفیقی، 2000ء "پشتو شاعری پر اقبالیات کے اثرات" (غیر مطبوع)، ص: 38
16. محمد عظیم، ملک، "عکس اقبال"، ص: 20، مقالہ ایم فل اقبالیات
17. عبدالرؤف رفیقی، "پشتو شاعری پر اقبالیات کے اثرات" (غیر مطبوع)، ص: 56
18. علامہ اقبال، ڈاکٹر، "کلیات اقبال" اردو، ص: 20، مقالہ ایم فل اقبالیات
19. عبدالرؤف رفیقی، س 2000ء "پشتو شاعری پر اقبالیات کے اثرات" (غیر مطبوع)، ص: 3، مقالہ ایم فل اقبالیات
20. عبدالرحمن طارق، 1903ء، "جوہر اقبال" لاہور: قومی کتب خانہ، ص: 20

- .21 علامہ اقبال، ڈاکٹر، "کلیات اقبال" اردو، ص: ۱۵
- .22 عبدالرؤف رفیقی، 2000ء "پشتو شاعری پر اقبالیات کے اثرات" (غیر مطبوعہ)، ص: ۲۵، مقالہ ایم فل اقبالیات
- .23 عبدالرؤف رفیقی، 2000ء "پشتو شاعری پر اقبالیات کے اثرات" (غیر مطبوعہ)، ص: ۸۱، مقالہ ایم فل اقبالیات
- .24 عبدالرؤف رفیقی، 2000ء "پشتو شاعری پر اقبالیات کے اثرات" (غیر مطبوعہ)، ص: ۱۹۰، مقالہ ایم فل اقبالیات
- .25 ایضاً، ص: 191
- .26 ایضاً
- .27 ایضاً
- .28 ایضاً
- .29 راقم کا ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی سے انٹرویو، مورخہ 22 نومبر، 2024ء، چار بجے، بمقام اقبال اکیڈمی لاہور۔